

شریعت

و
طریقت

کا
تلازم

— مؤلفہ —

جامع شریعت و طریقت ائمہ کبار حضرت اقدس الحاج

مولانا محمد رفیع صاحب کاندھلوی ثم ہاجرین قادری قادری

ناشر مکتبہ الشیخ

۲۰۲۵/۲۰۲۶ء - جلد اول - کتابچہ

شرعیات

و
طریقت

کا

تلازم

۔ مؤلفہ ۔

جامع شرعیات و طریقت، محثرت کبیر حضرت اقدس الحاج
مولانا محمد کریم صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس سرہ

۔ ناشر ۔

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ - پھار آباد کراچی ۵

شریعت اور طریقت



حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَسَلَامًا.

بعد حمد و صلوة کے اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ رات کے گیارہ بجے کاندھلہ میں، میری والدہ کی سوتیلی نانی کے گھر میں ہوئی، جو اماں مریم کے نام سے مشہور تھیں۔ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض خاتون تھیں۔ خاندان کے اکابر تراویح پڑھ کے اپنے گھر جانے سے پہلے وہاں گئے اور مبارکبادی کے بعد مٹھانی کا مطالبہ کیا، اور انہوں نے اپنی فیاضی سے بہت سی مٹھانی منگوائی اور مبارکبادی دینے والوں کو ان کی حیثیت کے موافق دی۔ بڑی چیل چیل اور شور و شغب۔ یہ قصبہ مظفر نگر کے ضلع میں ہے اور اس زمانہ میں دوآبہ شریعت و طریقت کا گہوارہ اور مخزن تھا۔ ”دوآبے“ ایک عربی اصطلاح تھی جو مشہور تھی اور اب بھی مشہور ہے۔ ہمارے اکابر کے کلام میں بھی بہت جگہ اس کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ یہ حصہ دھلی، میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور کے اضلاع پر مشتمل ہے اور دوآبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے مغرب میں جمننا اور نہر جمن اور مشرق میں گنگا اور نہر گنگا مشہور و معروف دریا ہیں جو اب تک بھی معروف ہیں۔ یہ خطہ شریعت و طریقت کا مخزن و گہوارہ، مرجع و منبع خاص طور سے تھا جس کی ابتدا خاندان ولی الہی ہوئی اور اس کا فیضان عام امدادی جماعت کے ذریعہ ہوا۔ اس خطہ کا معمولی اثر یہ تھا کہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ان کے مریدوں میں معمولی

نام کتاب
شریعت و طریقت کا تلازم

تصنیف
برکۃ العصر، جامع شریعت و طریقت
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نرگس ریس ہاجر مدنی
قدس سرہ

سن تالیف
۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۹ء
پاکستان میں کتابت نادرہ کے ساتھ پہلی بار
شعبان ۱۴۱۳ھ موافق فروری ۱۹۹۳ء

ملحوظہ :- فہرست مضامین کتاب کے آخری
صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

سے معمولی اور ان پڑھ بھی متبع سنت تھے۔ میں نے بہت سے بالکل ان پڑھ لوگوں کو دیکھا کہ تہجد کے اتنے پابند تھے کہ بعض بڑوں کو بھی ویسا کم دیکھا۔ اور طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہ کی خانقاہ کے قریب جو عام گڈھانا لائے ہوئے ہے اُس میں پچاس ساٹھ دھوبی اخیر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے اللہ اللہ کی صدائیں لگایا کرتے تھے۔ اس سیرکار کو خاندانِ نبویؐ میں سے تو کسی کی زیارت کی نوبت نہیں آئی لیکن خاندانِ امدادیہ کے اکابر و اصاغر کی زیارتیں بہت کثرت سے ہوتی ہیں۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا وصال میری پیدائش سے تقریباً دو سال بعد بارہ یا تیرہ جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی زیارت کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اس واسطے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً اٹھارہ سال پہلے چار جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں دیوبند شریف میں ہوا۔ اسی طرح اپنے جتد امجد حضرت رأس الاتقیاء مولانا محمد اسماعیل صاحب جھنجھانوی ثم الکناندھلوی ثم الدھلویؒ کی بھی زیارت کی نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ ان کا وصال دہلی میں نواب والی مسجد میں چار شوال ۱۳۱۵ھ کو میری پیدائش سے تقریباً بیس یوم بعد ہوا۔ میں نے اکابر سے سنا ہے کہ جب میری پیدائش کی خبر دادا جان کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارا بدل آگیا اور ہمارے جانے کا وقت آگیا۔ البتہ ان حضرات کے واقعات اتنی کثرت سے سننے میں آئے کہ لا تعد ولا تحصى۔

البتہ فخر المحدثین شیخ مشائخ زمانہ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ

کی زیارت خوب ہوئی، اس لئے کہ حضرت کا وصال میری پیدائش سے تقریباً آٹھ سال بعد آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ کو گنگوہ شریف میں ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کی صورت بھی خوب یاد ہے، اور حضرت قدس سرہ جب چہار روز خانقاہ کے میدان میں تشریف فرما ہوتے تھے تو گوردن میں دونوں ہاتھ ڈال کر لیٹا بھی خوب یاد ہے۔ حضرت قدس سرہ کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی کثرت و نوبت آئی اور عید گاہ جاتے وقت حضرت کی پالکی میں جس کے اٹھانے والے مشائخِ عمر ہوتے تھے جانا بھی خوب یاد ہے۔ یہ دو در شریعت و طریقت کا بہت اُدنیچا دور ہے۔ اس کے بعد مرشدی و سیدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رجب ۱۳۲۵ھ سے ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ تک مسلسل ایک سال جسمیں حضرت مرشدی اور حضرت شیخ الہند حجازی کے علاوہ حاضری رہی کہ یہ ناکارہ مدینہ پاک سے سولہ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو رخصت ہوا تھا جبکہ حضرت مرشدی کا وصال مدینہ پاک میں سولہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ اعلیٰ اللہ مراتبہ کے زمانہ کو پایا تو وہی، اس واسطے کہ حضرت کا وصال اٹھارہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں ہوا چونکہ حضرت کا قیام کئی سال مالٹا میں رہا۔ اس لئے دیوبند کی حاضری اسارت سے پہلے اور اسارت کے بعد مختصر طور پر ہوئی مگر حضرت نور اللہ مرقدہ کے احباب تلامذہ اور اکابر دیوبند سے کثرت سے ملنا ہوتا رہا۔

حضرت اقدس رأس الاتقیاء والاصفیاء حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب راپوری کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ میں ہوا اور ملحق الاصاغر بالا کا بر حضرت حکیم الامت مجدد مملکت

تھا نوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی زیارت تو بہت ہی طویل عرصہ تک رہی کہ حضرت کا وصال شب بارہ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوا اور میں نے حضرت کے اہم گرامی کے ساتھ لقب ملحق الا صاغر بالا کا بر کا اس لئے لکھا کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی بیعت و اجازت سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے تھی اسلئے حضرت حکیم الامت کے سائے مریدین اور مجازین بیک واسطہ حضرت سید الطائفہ سے ملحق ہیں۔ یہ تو طریقت ہوئی، اور شریعت میں حضرت حکیم الامت کو حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بھی اجازت حدیث ہے، اور حضرت شاہ گنج مراد آبادی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کچھ پڑھا ہے، چنانچہ اراج ثلاثہ ص ۳۴ میں ہے کہ حکیم نعمت اللہ صاحب نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ سنا ہے کہ حضور نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کہ حدیث شریف سنکر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو۔ مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سنکر سنا یا کہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی۔ انتہی۔

اس ناکارہ کی بہت ہی تمنا رہی کہ حضرت حکیم الامت سے اجازت حاصل کروں کہ سند عالی حاصل ہو۔ اور کئی مرتبہ اس نیت سے تنہا نہ بھون حاضری کی نوبت آئی مگر ہر مرتبہ یہ حیا مانع ہوئی کہ کس منہ سے کہوں کہ مجھے اجازت حدیث دے دیجئے جبکہ کچھ آجاتا نہیں، حالانکہ مجھ سے پڑھنے والوں نے کئی نے حضرت سے اجازت حاصل کی اور اس لحاظ سے وہ شاگردان مجھ سے عالی سند رکھتے ہیں۔

نیز شیخ الاسلام رأس المجاہدین حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ و اعلیٰ اللہ مراتبہ کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ حضرت کا وصال بارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ کو دیوبند میں ہوا۔ میرے محسن، امام النواضح والانکسار حضرت اقدس مولانا

الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا دور تو بہت ہی پایا کہ حضرت کا وصال چودہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ کو ہوا۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضری کی بہت ہی نوبت آئی، اور اپنے عم محترم امام التیلخ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا دور بھی خوب پایا، اس لئے کہ چچا جان کا وصال کہیں رجب ۱۳۶۳ھ کو ہوا۔

اولئك ابائي فجتني بمثلهم

اذا جمعتنا يا جريرا لجماع

یہ ہیں میرے آباء و اجداد، پس ان جیسا تو بھی لے جریر جب مجامع تفاعل ہم کو جمع کریں، پیش کرنا

۷

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کہ وہ نور کے پتیلے نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں نطل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر انھیں کے افتخار پر ناز کرتی ہے مسلمان

انھیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے انھیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں پھر یہ دریا میں اور ہرگز نہ کہڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سندنانی

مجھے ان سب اکابر کا دور اس واسطے بتانا پڑا کہ ان شمس ہدایت کی برکت

سے دو آجے کا ذرہ ذرہ شریعت و طریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ ان میں کا ہر شخص سے

برکے جام شریعت برکے سندانِ عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں بافتن

کا صحیح مسداق تھا۔ اس لئے بچپن ہی سے شریعت و طریقت کا باہمی ربط و تلازم ایسا قلب میں بیوست تھا کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہیں تھی یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز بچپن سے ذہن میں مرکوز ہو جاتی ہو وہ کا نقش فی الحجر ہو جاتی ہے۔ سانپ کے کاٹنے اور شیر کے پھاڑنے پر ہر شخص کو ایسا یقین ہو کہ جس کا نکالنا دل سے مشکل ہے، حالانکہ بہت سے لوگوں نے سانپ کو کاٹتے نہیں دیکھا ہو گا اور شیر کو پھاڑتے نہیں دیکھا ہو گا۔

اس کے بعد اپنے طلب علم کے زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کے شروع میں حضرت جبریل علیہ السلام والی حدیث جو تعلیم امت کیلئے فرمائی گئی تھی اُس میں ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ ”مَا إِلَّا حَسَانٌ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ تَرَاهُ“ پڑھا کہ اللہ کی عبادت ایسی کی جائے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے یہی طریقت ہے، یہی تصوف ہے یہی سلوک۔ اور جتنے نام اس مبارک فن کے لئے جائیں سب اُس میں داخل ہیں جیسا کہ طریقت کے ذیل میں تفصیل سے ذکر کروں گا۔ اور اس کے بعد پھر حدیث پاک کی جتنی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا ہوتا رہا شریعت و طریقت کا باہمی ربط قلب میں ایسے طریقہ سے جما گیا کہ ان دونوں کے خلاف کوئی چیز کان میں پڑی تو اُسے جہالت سمجھتا رہا

یا تجاہل شریعت مطہرہ جس کا ماخذ قرآن پاک ہے اور اس کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال اور ان کا لب لباب فقہ، ان کے خلاف کبھی بھی کوئی چیز سنی تو ناقابل التفات سمجھی۔ بعض دینی علوم سے نادانف لوگوں کا یہ قول جب کان میں پڑتا تھا کہ ”قرآن پاک سے براہ راست جو مفہوم سمجھ میں آئے وہ اصل ہے، تفاسیر وغیرہ کتب کی اس کیلئے ضرورت نہیں“ تو میں اسے پاگل پن سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ اگر قرآن پاک سے براہ راست اخذ کرنا آسان ہوتا تو انبیاء کی ضرورت کیا رہتی؟ قرآن پاک کعبہ شریف کے درمیان لٹکا دیا جاتا اور اس سے لوگ حاصل کرتے رہتے۔ انبیاء کی بعثت کا تو بڑا راز یہ بھی ہے کہ وہ عملی طور پر ارشادات الہیہ کی تکمیل و تکمیل کر کے دکھلائیں اور اس سلسلہ میں اللہ کا احسان ہے، اسی کا شکر ہے کہ کبھی کوئی شبہ پیش نہیں آیا بلکہ اس سے بہت سے مسائل اور فروعات ایسے ذہن نشین ہوئے کہ ان میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے آئی تھی اس لئے جو چیزیں شان نبوت کے منافی نہ تھیں وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر کرائی گئیں جیسے لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مع جماعت صحابہ کے نماز صبح کے لئے بیدار نہ ہو سکتا۔ جبکہ حضور کے چاکروں کے چاکروں کا یہ حال ہے کہ وہ کہیں کہ بیعت ہو جانے کے بعد سے رات کے دو بجے سے ایسی کھلی اٹھتی ہے کہ نیند نہیں آتی۔ محدثین میں اس میں بھی اختلاف ہے کہ صبح کو سوتے رہ جانا ایک دفعہ ہوا یا متعدد دفعہ جیسا کہ ادرج ص ۲۵ میں تفصیل ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ نیند دفعہ ہوا یہاں ایک تصوف کی بات بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

عادت شریفہ یہ نہیں تھی کہ لیٹنے کے وقت پوچھیں کہ ہمیں کون جگائے گا، اس قصہ میں بخاری ص ۸۲ میں یہ ہے کہ صحابہؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ تھوڑی ویہ آرام فرمائیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ ہو جائے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا ”میں جگاؤں گا“

اس قصہ میں سلوک کے دو مسئلے ہیں۔ اول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندیشہ کہ مجھے ڈر ہے کہ صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ حالانکہ عرب کا عام دستور یہی تھا کہ شروع رات میں سفر کرتے اور اخیر رات میں آرام کرتے۔ اسی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشائخ کے قلوب پر بسا اوقات آنے والے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے یا اندیشہ ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ ”میں جگاؤں گا“ اور ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ مشائخ نے کہا کہ یہ واقعہ حضرت بلالؓ پر تنبیہ ہے اس بات کے کہنے پر کہ ”میں جگاؤں گا“ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا تو حضرت بلالؓ کا یہ کہنا کہ ”میں جگاؤں گا“ اس کا سبب ہوا۔ مگر اس پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ جب لیلۃ التعریس اکثر علماء کے نزدیک کئی دفعہ ہوئی تو حضرت بلالؓ کا یہ قول تو ایک ہی دفعہ ہوا ہوگا، لیکن جو اب ظاہر ہے کہ ایک واقعہ میں حضرت بلالؓ کے اس قول کو دخل ہے اور دوسرے واقعات میں دوسرے اسباب ہوئے ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں بھولنے کی احادیث میں کبھی اشکال نہ ہوا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ ”انی لا انسئ ولکن انسئ لا سن“ یعنی میں بھولتا نہیں بلکہ جبراً بھلایا جاتا ہوں تاکہ طریقہ بتاؤں، یعنی

تمہارے لئے نماز میں بھولنے کے احکام، سجدہ سہو وغیرہ کا طریقہ بتاؤں۔ اور ص ۲۱۴ باب العمل فی السہو میں اس حدیث کی بڑی تفصیل ہے۔

اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی کبھی کوئی خلیجان طبیعت میں نہیں آیا جب کہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور و بعید تر ہے اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی اشکال نہیں ہوا۔ اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان سب کے متعلق ہمیشہ ہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکوینی طور سے کرائے گئے تھے

تو مشقِ نازکِ خونِ دو عالم میری گردن پر

ان انفاس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعتِ مطہرہ کی تکمیل کیجئے ہم اس کیلئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں، کوٹے کھلنے کو تیار ہیں۔ یہی میرے نزدیک مصداق ہیں قرآن کریم کی آیت ”فَاُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ“ کے، (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیثِ مغفرت کے جن میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ ”ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دیدو“

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۱ میں) ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن بلایا جائے گا، (کیسی ایک آدمی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ مراد ہوتا ہے جس کے ہر فرد کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں رجل کی جگہ ناس کا لفظ صریح ہے) اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو یہ

چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے اور بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے، اس سے کما جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ گناہ کیا اور فلاں دن یہ گناہ کیا۔ اس کو اقرار کئے بغیر چارہ نہ ہوگا اور وہ ڈرتا ہے گا کہ ابھی تو چھوٹے چھوٹے پیش کئے جا رہے ہیں جب بڑے گناہوں کا نمبر آئے گا تو کیبنے گا؛ ارشاد ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دو۔ تو وہ کہے گا کہ لے میرے رب ابھی تو بہت گناہ باقی ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا کہ حضور کے اگلے دانت مبارک نظر آنے لگے (مسلم ترمذی، شامل)۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں بہت سے لوگ لائے جائیں گے جو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے گناہ بہت زیادہ ہوتے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے گناہوں کے بدلے نیکیاں ملیں گی۔

یہاں ایک بات نہایت قابل اہتمام یہ ہے کہ یہ مراجم خسروانہ کھلاتے ہیں کہ مراجم خسروانہ میں قاتلوں کو پھانسی کی سزا سے بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس اطمینان پر کہ میں تو مراجم خسروانہ میں چھوٹے جاؤں گا قتل کی ہمت کوئی نہیں کرتا، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ صحابہ کرام سب ان میں داخل ہیں، اس لئے کہ ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ ان ہی مراجم خسروانہ کے مستحق ہیں۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے زنا صادر ہو جاتا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ

ماہیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جا استغفار کر، توبہ کر“ وہ تھوڑی دور جاتے ہیں، بیچینی غالب ہوتی ہے، پھر آکر یہی عرض کرتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب ہوتا ہے۔ چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو توبہ واستغفار کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ چوتھی دفعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس پر دو صحابہ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پروہ ڈالا مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتیٰ کہ گتے کی طرح سورج چمک گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یسین کر سکوت فرمایا اور آگے تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مارا پڑا تھا اور اُس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی ایک ٹانگ ابھری تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اس مردار میں سے کھاؤ“ انہوں نے کہا کہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبروریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے، تم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

اسی طرح ایک غامد یہ عورت رضی اللہ عنہا وارضا ہا کا قصہ پیش آتا ہے وہ بھی آکر درخواست کرتی ہیں یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بھی یہی فرما کر واپس کر دیتے ہیں کہ جا توبہ استغفار کر۔ وہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ آپ مجھے اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ماعز کو

واپس کیا تھا، میں خدا کی قسم زنا سے حاملہ ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنے بچہ پیدا نہ ہو جائے اتنے تجھے رحم نہیں کیا جاسکتا جبکہ وہ بچہ جنتی ہیں تو پھر وہ حاضر ہوتی ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے بچہ جن دیا مجھے پاک کر دیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو دودھ چھوٹنے کے زمانہ تک دودھ پلا۔ وہ دودھ چھوٹانے کے بعد بچہ کو گود میں لاتی ہیں۔ بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے، عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ روٹی کھانے لگا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگساری کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت خالدؓ بھی سنگسار کرنے والوں میں تھے، اس کو سنگسار کرتے ہوئے اس کے خون کا ایک قطرہ اُڑ کر حضرت خالدؓ کے رخسار پر پڑ گیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو کوئی سخت بات کہی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خالد! ایسا مت کہہ، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی کا افسر بھی ایسی توبہ کر لیتا تو اس کو کافی ہوتی (چنگی کے افسر سے مراد اس محکمہ کے لوگ ہیں کہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور بہت ظلم کرتے ہیں) اسی قسم کے ایک اور قصہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ہم اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے شتر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی کر دی۔

احادیث کی کتاب الحدود میں متعدد روایات ان قصوں کی وارد ہوئی ہیں، ہم میں سے بڑے سے بڑا بھی کوئی ایسا ہے جو گناہ پر اتنا بے چین ہو جائے جتنا یہ حضرات ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کوئی شخص پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اس سے ڈر رہا ہو کہ یہ پہاڑ مجھ پر گر جائے گا۔ اور جب فاجر کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا آسان محسوس کرتا ہے جیسا کہ منگھی ناک پر بیٹھ گئی اور اس کو ہاتھ سے اُڑا دیا مشکوٰۃ بروایت بخاریؑ

اللہ جل شانہ عالم الغیب ہیں، وہ سب گناہوں کو بھی جانتے ہیں اور گناہوں کے بعد ان کے حالات کو بھی۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بائے میں باوجود معاصی کے بھی اپنی رضا اور خوشنودی کے پروانے جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَضَعُوا
عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْقَوْمُ الْعَظِيمُ

اور جو ہاجرین اور انصار سابق اور معتزم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص (احسان) کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ ہینا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

{بیان القرآن}

بیان القرآن کے حاشیہ پر درمنثور سے وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ کی تفسیر میں ابن زبیر سے نقل کیا ہے کہ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ میں تمام

مسلمان قیامت تک کے آگے جو احسان کے ساتھ ان حضرات کے متبع ہوں اس لئے صحابہ کرامؓ یا مشائخ عظام کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی کرنا اپنے کو محروم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان سے راضی اور تم ناراض۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت، ضوان وغیرہ کے مبشرات ہیں اور یہ معاصی علام الغیوب کے علم میں بھی ہیں، لیکن چونکہ اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ ان معاصی کے باوجود ان کی مغفرت، دخول فی الجنة وغیرہ کے وعدے ہیں تو ایسی حالت میں صحابہ کرامؓ کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی نہایت ہی حماقت اور جرأت ہے۔ اور ان حضرات کی لغزشوں کو آڑ بنا کر خود کوئی گناہ کرنا اس سے زیادہ حماقت ہے۔ اس لئے کہ ان کے گناہوں کی معافی تو آیات قطعیہ سے ثابت ہوگئی، مگر ہمارے لئے ان کو آڑ بنا کر کسی قسم کا گناہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ جل شانہ کا قطعی ارشاد ہے:-

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ
وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ. أُولَئِكَ
هُمُ الرَّاغِبُونَ، فَضَّلْنَا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً، وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ
حَكِيمٌ

لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت

والے ہیں۔ { بیان القرآن }

نیز بیان القرآن میں فسوق کی تفسیر گناہ کبیرہ اور عصیان کی تفسیر گناہ صغیرہ سے کی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تو صفائے کتب اور انشاء اللہ سائے ہی مغفوت ہیں، ان کی کسی غلطی پر گرفت کرنا انتہائی خطرناک ہے اور ان کے صفائے کتب اور کبار کی آڑ لیکر خود عمل کرنا اپنے لئے ہلاکت ہے۔

فتح مکہ میں حضرت حاطب بن بلتعنه نے مکہ والوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ غزوه کی اطلاع کر دی، وہ خط پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو توجوش آنا ہی تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے ہمیں اس منافق کی گردن اڑا دوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، تجھے کیا خبر کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو فرما دیا ہو کہ میں تمہاری مغفرت کر دی جو چاہے کرو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ واسطیہ ص ۱۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے قواعد مقررہ میں سے یہ ہے کہ صحابہ کے بارے میں ان کے قلوب اور زبان محفوظ رہیں۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ”میرے صحابہ کو تمہارا کہو تمہارے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) سونا خرچ کرے تو میرے صحابہ کے ایک مدد ملے اور اہل سنت والجماعت ان تمام چیزوں کو قبول کرتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مراتب کے بارے میں جو قرآن و حدیث اور اجماع میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرما دیا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت

کر دی اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور نے بیعت فرمائی ہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، اور وہ چودہ تنہا کے قریب ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت صحابہؓ کے درمیان جو مشابہت ہوئے اس میں کلام کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اقوال اُن کے عیوب کے نقل کئے جاتے ہیں اُن میں بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعضوں میں تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور جو صحیح بھی ہیں تو صحابہؓ ان میں معذور ہیں۔ یا تو مجتہد مصیب ہیں یا مجتہد مخطی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود اہل سنت صحابہؓ کے معصوم ہونے کے قابل نہیں ہیں بلکہ گناہ ان سے ہو سکتے ہیں، مگر ان کے فضائل اور مناقب ایسے ہیں کہ اگر اُن سے گناہ ہو بھی جاویں تو ان سے معاف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے وہ گناہ بھی معاف ہو جائیں گے جو بعد والوں سے معاف نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے پاس ایسی نیکیاں گنت ہوں گی جو بعد والوں سے معاف نہیں ہوں گے۔

پھر ان میں سے اگر کسی سے گناہ ہوا بھی ہے تو یقیناً اُس نے توبہ کر لی ہے یا اتنی نیکیاں کیں جن سے وہ سنیات معاف ہو گئے یا اُن کے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے کہ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یا دنیا میں ہی کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے جس سے معافی ہو گئی۔ یہ بات تو ان گناہوں کے متعلق ہے جو محقق تھے، پھر جن امور میں اجتہاد کو بھی دخل تھا اُن کا تو کیا پوچھنا کہ اگر وہ صواب پر تھے تو وہ اجراء اور غلطی پر تھے تو ایک اجراء اور غلطی معاف (جیسا کہ عام

مجتہدین کے لئے بھی یہی قاعدہ ہے) پھر ان کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ بہت ہی کم ہیں ان کے فضائل اور محاسن کے مقابلہ میں اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت اور نصرت اور علم نافع اور عمل صالح کے مقابلہ میں۔ اور جو آدمی بھی صحابہ کرامؓ کی سیرت کو علم اور بصیرت سے غور کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جن فضائل سے ان کو مشرف کیا ہے وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل ترین ہیں۔ نہ ان جیسے پہلے ہوئے نہ بعد میں ہوں گے اور وہ اس خیر الامم کے چنے ہوئے حضرات ہیں۔ فقط

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے جو لکھا بالکل صحیح ہے۔ قرآن پاک کی آیات کثرت سے ان حضرات کے فضائل مناقب اور ان حضرات کی تکفیر سنیات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِّلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِيْنَ الْاٰتِيَةَ پارہ ۲۵ (مال فتنے کے مضارف میں ارشاد فرماتے ہیں)

”ان صاحبتمند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے ماؤں سے جدا کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس کو یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اُس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو، اور جو شخص اپنی طبیعت کے سبب سے محفوظ رکھا جائے، ایسے ہی لوگ فلاح پاتے ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے **فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآمَنُوا بِرَبِّهِمْ** (پارہ ۱ سورہ آل عمران کا آخری رکوع)

”سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دینے لگے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے، فرد ان لوگوں کی تمام خطاؤں میں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عرصہ ملیگا اللہ تعالیٰ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔“

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو حقوق معاف کرنے کو بتلا رہی ہیں اور اللہ جل شانہ تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں ضرور بالضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ مگر ”مدعی مسست گواہ چست“ ہمارے حقائق کہتے ہیں کہ وہ تو گنہگار تھے، چنانچہ تھے چنیں تھے۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے کسی ولی سے عداوت رکھے اُس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور صحابہؓ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہو سکتا ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد ان کو (اعتراضات کا) نشانہ نہ بنائیں، جس نے میرے صحابہؓ سے محبت رکھی تو اُس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اور جس نے میرے صحابہؓ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے میرے صحابہؓ کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی قریب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی پکڑ میں آجائے {خبر النزدی}

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ فضائل صحابہؓ سے وہی شخص واقف ہے جو ان کے حالات اور ان کی زندگی سے واقف ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور وصال کے بعد ان کا ایمان میں تقدم اور کفار سے جہاد اور دین کا پھیلانا اور شعائر اسلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کا کلمہ بلند کرنا اور فرائض و سنن کی تعلیم۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو دین کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچتی اور ہم کسی سنت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد اور حالات ہم تک پہنچتے۔ لہذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہو گیا۔ اس واسطے کہ کسی میر طعن کرنا اُس وقت تک نہیں ہو تا جب تک کہ اُن کی بُرائیوں کو دل میں جگہ نہ دے اور بغض دل میں نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل کا جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے اُن کا منکر نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل و مناقب اور محبت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تھی ان کا منکر نہ ہو۔ اور اس وجہ سے بھی طاعن صحابہؓ دین سے نکل گیا کہ یہ صحابہؓ ہی ماثور و منقول میں بہترین و افضل ترین و وسیلہ ہیں، اور وسیلہ پر طعن اصل پر طعن شمار ہوتا ہے اور ناقلاً پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے، اور یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو غور و فکر کرے۔ اور نفاق اور زندقہ اور الحاد سے اس کا عقیدہ پاک ہو بالکل ظاہر ہے اور صحابہؓ کے فضائل کے لئے وہ اخبار و آثار ہی کافی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض صحابہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں بُرا بھلا کہا جاتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ

کو جو بڑا بھلا کئے اُس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ اور دوسری جگہ میں حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے لئے میرے صحابہ کو چنا اور میرے لئے ان کو دوست اور بھائی اور رشتہ دار بنایا۔ اور آئندہ ایک قوم آئے گی جو ان پر عیب لکھے گی اور ان کے مرتبہ کو گھٹائے گی۔ پس تم ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ ان سے نکاح کرو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان پر خزاہ کی نماز پڑھو فقط حافظ ذہبی نے اور بھی بہت سی روایات کتاب الکبائر میں نقل کی ہیں اور علماء سے نقل کیا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ کی مذمت کرے یا ان کی غلطیوں کو ڈھونڈے یا ان کے عیوب کا ذکر کرے یا ان کی طرف عیوب کو منسوب کرے تو ایسا شخص منافق ہے۔

یہ مختصر رسالہ علماء کے ان اقوال کو نہیں جمع کر سکتا جو صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرنے والوں یا ان کے عیوب کو پھیلانے والوں کے متعلق آئے ہیں۔ اسی طرح باخِ فدک وغیرہ کی روایات میں بھی کبھی خلیجان نہیں ملتا ہے۔ ہی اشکالات، اعتراضات کانوں میں پڑتے رہے مگر میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا رہا کہ جس بضعتہ الرسول نے باپ کی ساری زندگی میں چکی پیس پیس کر گزر کیا ہو، پانی کی مشک اٹھانے سے بدن پر نشانات پڑ گئے ہوں، وہ اباجان کے انتقال کے بعد ایسی مال کے اوپر گرے کہ خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بولنا چھوڑے؟ یہ لڑائی اور اسی طرح مشابہات صحابہؓ کی ساری لڑائیوں پر ہمیشہ شرح صدر رہا کہ یہ سب کاسب قوت ایمانیہ تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو مال کی طبع پاس کو نہیں تھی

اور کیسے ہو سکتی تھی جبکہ ان کے چاکروں کے چاکروں کے دل میں بھی نہ ہو۔ یہ ساری لڑائیاں ایمانی، اعتقادی، علمی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکے میں وراثت شرعاً ہے یا نہیں؟ حضراتِ شیعین رضی اللہ عنہما "ما ترکنا صدقہ" کو عموم سمجھتے تھے اور یہ حضرات خصوص سمجھتے تھے۔ یہ علمی اور اجتہادی بحثیں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نہ بولنا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس سے مراد اس مسئلہ یعنی فدک کے معاملہ میں نہ بولنا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنے سوال میں قلع ہو اس واسطے کبھی اس مال کے بارے میں گفتگو نہیں کی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں بعض روایات سے اس کی تائید نقل کی ہے۔ یہ تو حضراتِ شراحِ کرام کی رائے ہے بندہ کے ذہن میں ہمیشہ سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مال کی محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حکمِ شرعی کی تنفیذ کیلئے تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو شرعاً اس کا مستحق سمجھتی تھیں، اسی لئے انہوں نے اس پر اظہارِ ناراضگی اور ترکِ کلام فرمایا۔ اور یہ چیز میرے نزدیک سراسر تصلب فی الدین تھی۔ اور اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس معاملہ کو پیش کیا اس وجہ سے کہ ممکن ہو کہ حضرت عمرؓ کی رائے ان حضرات کے موافق ہو، مگر حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی تھی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔

اسی طرح مشابہات صحابہؓ میں حضراتِ خلفاء ثلاثہ کا زمانہ اس کے مناسب نہیں تھا، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ کیونکہ حضراتِ خلفاء راشدین ثلاثہ کے ادوار میں دوسرے اہم امور درپیش تھے، اور جب ان سب کی تکمیل ہو گئی تو

خلفاء راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور باقی تھا جس میں مخالفت خلیفہ کا مسئلہ بھی حل ہونا ضروری تھا تاکہ خلفاء راشدین و مہدیین کے دور میں اس مسئلہ کی بھی تکمیل ہو جائے اس لئے یہ مسائل اسی زمانہ میں پیش آنے ضروری تھے۔ اس لئے مجھے کبھی اس میں اشکال نہیں ہوا کہ حضرات صحابہؓ کے جو مشاجرات ہیں وہ حُب جاہ و مال یا عصبیت کی وجہ سے تھے، بلکہ وہ انکی قوت ایمانیہ کی علامتیں تھیں، جس چیز کو حق سمجھتے تھے اس کی حفاظت امانت میں جنگِ جدل سے باک نہیں کرتے تھے۔ جو باگل ان حضرات کے ان افعالِ اقوال کو بشری کمزوری سمجھتا ہے اس کو میں نے کبھی قابلِ التفات نہیں سمجھا اور جس کی بھی حدیث پاک پر گہری نظر ہوگی وہ کبھی نہیں سمجھے گا۔

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ "الاعتدال" میں مشاجرات صحابہؓ کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ جنگِ جمل (جو حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جنگ کا نام ہے) کتنی سخت لڑائی تھی۔ تقریباً بیس ہزار آدمی اس میں شہید ہوئے، لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ سب آگے بڑھے اور مد مقابل جماعت میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ بھی سب آگے بڑھے۔ دونوں نے معاف کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکلے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علیؓ کی جماعت کو فتح ہوئی

دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے، حضرت علیؓ نے قبول نہیں کیا بلکہ دوبارہ ان سے بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان مغلوبین کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں، حضرت علیؓ اول انکار فرماتے رہے، آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کونسا تیار ہے؟ انہوں نے عرض کیا نستغفر یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "وانا استغفر اللہ" میں بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ کیا ہم بھی کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں۔ دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والوں کا رکھتے تھے۔ اس لڑائی کے خاتمہ کے وقت حضرت عائشہؓ (جو دوسری جماعت کے سرگروہ میں تھیں) کا اونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا "دیکھو اُمّ المؤمنین کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی" اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس تشریف لے گئے، فرمایا امان جان کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، اللہ جل شانہ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے" یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی

بہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہو، کسی بیخلف پر غلبہ ہو جائے تو اُس کی جان، مال، آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں؟

جنگ صفین حضرت علیؑ و حضرت معاویہؓ کے درمیان مشہور لڑائی ہو بتدریج مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۴) اور ایک غزلی کو مسائل کی ضرورت پیش آتی تو دوسرے فریق کے پاس آ کر بھیج کر ان کو صل کرتے۔ یہ اُن کے ذہنی اعتماد کا حال تھا (تاریخ الخلفاء)

قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اُن پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے قیصر روم کے نام ایک خط میں لکھا اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؑ) سے صلح کر لوں گا، پھر تمہارے خلاف اُن کا جو لشکر روانہ ہو گا اُس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا اور تمہاری حکومت کو گاجر مولیٰ کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔ (تاج العروس ص ۲۰۸ مادہ صطفیلین)

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ قیصر روم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا تھا کہ تم کو حضرت علیؑ نے سزا رکھا ہے تمہاری مدد کے لئے میں فوج بھیج دوں۔ اس نے حضرت معاویہؓ نے اُس کو لکھا کہ لے نصرانی گتے! میرے اور علیؑ کے درمیان جو اختلاف ہے تو اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یاد رکھو کہ اگر تو نے حضرت علیؑ

کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علیؑ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑ دینے والا معاویہ ہو گا۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ علیؑ مجھ سے بہتر اور مجھ سے افضل ہیں اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خون عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۲۹) (مقام صحابہؓ)

امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خبیب نے اپنی بیوی سے کسی زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہو سکا اور اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پہنچا، اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ فرماویں۔ قاتل کی سزا قصاص لیکن قاتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؑ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالک)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں؟ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کرے۔ (الاعتدال ص ۲۳)

حضرت معاویہؓ کے تو حضرت علیؑ کے ساتھ ایسے قصے بہت سے مشہور ہیں۔ عزیز مولوی یوسف نور اللہ مرقدہ نے بھی حیات الصحابہؓ ص ۱۹ میں کئی قصے لکھے ہیں۔ حضرت ضرار بن ضمیرہ کنانیؓ (جو حضرت علیؑ کی جماعت کے تھے

حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا اللہ عزوجل نے مجھے اس سے معاف کریں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں بالکل مستحق نہیں کروں گا ضرور بیان کر۔ حضرت ضرار نے عرض کیا کہ اگر ضروری ہی ہے تو سنئے کہ حضرت علیؓ خدا کی قسم بڑے مرتبہ والے اور بڑی قوت والے تھے۔ دو ٹوک بات کہتے تھے اور انصاف کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کی ہر سمت سے علم اُبلتا تھا اور ہر طرف سے دانائی گویائی کرتی تھی۔ دنیا اور دنیا کی زینت سے متوحش تھے۔ رات اور اس کی تاریکی سے مانوس تھے۔ خدا کی قسم بڑے رونے والے تھے اور..... بڑے سوچ والے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو پلٹ کر اپنے نفس کو خطاب کیا کرتے تھے۔ مختصر لباس آپ کو پسند تھا اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ خدا کی قسم وہ ہم میں (بغیر کسی خصوصی امتیاز کے) ایسے رہتے تھے جیسے ہم میں کا ایک آدمی ہو۔ جب ہم حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ اور ہم جو بات پوچھتے اُس کا جواب دیتے۔ اور ہم اس اختلاط اور سادگی کا وجود ان سے اُن کی ہیبت کی وجہ سے بولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اور جب ہنستے تو ان کے دانت پڑے ہوئے موتیوں کی طرح ظاہر ہوتے۔ دینداروں کی عظمت کرتے تھے اور مساکین سے محبت رکھتے کسی قوی سے قوی آدمی کو بھی اپنے باطل میں کامیابی کی امید نہیں ہوتی تھی اور ضعیف سے ضعیف آدمی آپ کے انصاف سے مایوس نہ ہوتا۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات میں نے اُن کو دیکھا کہ رات کی اندھیریوں میں اپنی محراب میں اپنی ڈاڑھی کو پکڑے ہوئے ایسے بے چین ہیں جیسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ رکھا ہو اور ایسے رورہے ہیں

جیسے کوئی غمزدہ، اور گویا آپ کی آواز سچ بھی میرے کان میں گونج رہی ہے، وہ بار بار فرماتا ہے تھے یا رَبَّنَا، یا رَبَّنَا اور گڑگڑاتا ہے تھے۔ پھر دنیا کو نطاب کر کے فرماتا ہے تھے تو مجھے ہی دھوکہ دینا چاہتی ہے اور میرے ہی لئے مزین بن کر آتی ہے، مجھ سے دور ہو جا، میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ تیری عمر بہت تھوڑی ہے۔ تیری مجلس بہت حقیر ہے، اور تیرے مصائب آسان ہیں۔ ہائے ہائے! تو شہِ آخرت کم ہے اور سفر بہت لمبا ہے اور راستہ وحشتناک ہے۔

یہ حالات سن کر حضرت معاویہؓ کے آنسو اتنے نکلے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اُن کو آستین سے پوچھنا شروع کیا اور پاس بیٹھنے والوں کے بھی روتے روتے دم گھٹنے لگے اور حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، ابوالحسن (حضرت علیؓ) ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔

ضرار! تمہیں حضرت علیؓ کی وفات کا غم کتنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جیسا کہ کسی ماں کی گود میں اُس کا اکلوتا بیٹا ذبح کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو نہیں تم سکتے اور اس کا غم کبھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ضرار چلے آئے۔

چونکہ احسان جس کا اُوپر ذکر آیا وہ بھی دین کی تکمیل کا ایک جزو تھا اُس کو بھی علیؓ وجہ الشیوع اسی دور میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد انا دار الحکمة وعلی باہا کہ سلوک تصوف و حکمت تقریباً سارے ہی سلسلے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے چلتے ہیں۔

اس لئے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا تصوف جو گیوں سے لیا گیا ہے وہ دین سے بالکل ناواقف ہیں۔ تصوف کی ابتداء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہے، اور خاص انداز سے تسلسل حضرت علیؑ کے دور سے ہے، جیسا کہ اپنی جگہ پر آئے گا، یہ بہت ہی تفصیلی مضمون ہے، کاش میری صحت اجازت دیتی تو ان چیزوں کو بہت ہی وضاحت سے لکھتا۔

میرے اس مذکورہ بالا مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس ناکارہ کو کبھی کسی حدیث پر کوئی اشکال ہی پیش نہیں آیا۔ ہاں اتنا ہو گیا کہ جس حدیث میں کوئی اشکال ہوا اور وہ حل نہ ہو تو اس کو میں اپنی کم مائیگی اور قلتِ علم پر محمول کرتا ہوں۔ میں اپنی ایک چھوٹی بچی کا قصہ آپ بتی میں لکھوا چکا ہوں کہ جب وہ قاعدہ بغدادی پڑھ رہی تھی اور اس کی ایک تختی میں الف کھڑا زبر آفون زبرن، آن۔ ب الف زبر با، فون زبرن، بان۔ تان، ثنان۔ اخیر پل سکی والدہ نے پڑھایا ہمزہ الف زبر آفون زبرن، آن۔ تو وہ محل گئی کہ آیا یہ آن کیجیو بنا، ہمزان کیوں نہیں بنا۔ اس کی ماں نے تو یہ کہہ کر بھیجا پھر لیا کہ جب تیرے ابا آویں گے اُن سے پوچھیے۔ اور میں بھی اس کے سمجھانے سے عاجز رہا تو میں نے کہا کہ ابھی تیری سمجھ اتنی نہیں، جب بڑی ہو جائے گی تو خود سمجھ میں آجائے گا۔

اسی طرح جب کسی حدیثِ پاک میں کوئی اشکال پیش آئے تو مجھے اپنی بچی کا جواب یاد آجاتا ہے کہ ابھی تیری اتنی سمجھ نہیں۔

عمل بالقرآن

اس ناکارہ نے اپنے رسالہ ”الاعتدال“ ”چہل حدیث“ میں ایک مضمون لکھا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآنِ پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اسمیں اولین و آخرین کا علم ہو مگر کلامِ پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے یہ نہیں کہ ہمارے زمانہ کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اردو ترجمے دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص قرآنِ پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح ہو تب بھی اُس نے خطا کی، مگر آج کل کے روشن خیال لوگ قرآنِ پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہر روشن خیال اس قدر جامع الاوصاف اور کامل و مکمل بنا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بلکہ نہ صرف اردو عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر بر جستہ کرنے لگے تو پھر وہ تصوف میں جنید و شبلی کا استا ہے۔ فقہ میں مستقل مجتہد ہے۔ قرآنِ پاک کی تفسیر میں جونئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں، اس کی پرواہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے،

وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بچے کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اُس پر نیکی کر سکے یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے، جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لیکر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے حقیقتاً عجیب سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے، اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی بات نکالے وہ دین کا محقق ہو حالانکہ اہل فن نے تفسیر کیلئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ لفظ کلام پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اول لغت، جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں مجاہد کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس کو جائز نہیں کہ بدن معرفت لغات عرب کے کلام پاک میں کچھ لکب کشانی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔ جیسے ایک شخص نے سپاہیانہ زندگی کا جوش پھیلانے کیلئے وَكْفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ! کافی ہے اللہ کے لئے مؤمنوں کو (صرف ایک عمل) قتال۔ تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ بناوا اور صبغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس

شخص سے علم اِصْرَف فوت ہو گیا اُس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زمخشری عجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قرآن پاک کی آیت یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاثٍ اِیْمَا مٍ مِّمَّهُمْ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اُس کے مقتدی اور پیش رو کے ساتھ) اس کی تفسیر صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُن کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اُس کو اُم کی جمع سمجھ لیا۔ اگر وہ صرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی۔

چوتھے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے۔ جیسا کہ مسح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں۔ اور مساحت سے بھی ہے جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

پانچویں علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

چھٹے علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ مینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں۔ مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلام پاک جو مراسر اعجاز ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں علم قرأت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ مختلف

قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

نویں علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حتی سبحانہ و تقدس پر صحیح نہیں۔ اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ یَا اللّٰہُ فَوْقَ اَیْدِیْہِمُ۔

دسویں اصول فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال و استنباط معلوم ہو سکیں۔

گیارہویں اسباب نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شان نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شان نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

بارہویں نسخ و منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بہا سے ممتاز ہو سکیں۔

تیرہویں علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودھویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآن پاک مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وہی ہے جو حق سبحانہ و تقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے من عمل بما علم ورثه اللہ علم

مالہ یعلم (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)

اہل اصول نے لکھا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کیلئے اس کے اصول کا جاننا ضروری ہے جو قرآن، حدیث اور اجماع ہے اور چوتھے قیاس جو ان ہی سے مستنبط ہو۔

پھر قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے چار چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے پہلا نظم قرآنی، صیغہ اور لغت کے اعتبار سے۔ اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- خاص، عام، مشترک، مؤول۔

دوسری قسم وجوہ بیان، اس کی بھی چار قسمیں ہیں:- ظاہر، نص، مفسر، محکم۔ اور چار قسمیں ان کے مقابل، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ۔ اور تیسری قسم نظم قرآن کے استعمال کو جاننا۔ یہ بھی چار قسمیں ہیں: حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ۔

اور چوتھی قسم قرآن پاک کی مراد پر مطلع ہونے کے طرق، یہ بھی چار ہیں:- عبارتہ لنص، اشارۃ لنص، دلالتہ لنص، اقتضائہ لنص۔

اور ان سب کے بعد سبھی ایک مستقل قسم ہے جو سب کو شامل ہے۔ یہ بھی چار ہیں:- ناخذ اشتقاق کو جاننا۔ ان کے مفاہیم اصطلاحیہ کو جاننا اور ان کی ترتیب کو جاننا اور ان پر مرتب ہونے والے احکام کو جاننا۔ امر کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ کہاں وجوب کیلئے ہے اور کہاں جواز کیلئے اور استحباب کیلئے اور تکرار کیلئے۔ قرآن پاک میں لفظ "ادا" کبھی "قضا" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قضا، ادا کے معنی میں۔ نیز امر کبھی مطلق ہوتا ہے کبھی مقید، امر مقید

حدیث

حدیث کے سمجھنے کیلئے اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے جو امور جاننے ضروری ہیں جن کی تفصیل اوپر گذر چکی وہ سب حدیث پر عمل کرنے کیلئے بھی ضروری ہیں اور ان کے علاوہ چونکہ قرآن پاک قطعی ہے اس لئے احادیث میں جو امور قطعی ہیں جیسے پانچ وقت کی نماز اور ہر نماز کی رکعات۔ اس کے علاوہ چوں کہ احادیث طنتی بھی ہیں ان پر عمل کرنے کیلئے چند امور کا جاننا مزید ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نخبۃ الفکر (جو اصول حدیث کی کتاب ہے) میں انواع حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حدیث پاک اگر اتنے کثیر راویوں سے منقول ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو اور یہ اتنی کثرت ہر دور میں پائی جاتی ہو تو یہ حدیث متواتر ہے اور یہ حدیث قطعی ہوتی ہے قرآن پاک کی طرح۔ اور اگر اسکے راوی کسی دور میں اس کثرت کے ساتھ نہ باقی رہیں تو اس کو مشہور کہتے ہیں۔ تیسری قسم عزیز ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو، دوہوں، اور اگر ایک ہی راوی ہو تو اس کو غریب کہتے ہیں۔ یہ دونوں اخبار احاد میں داخل ہیں۔ اور خبر احاد میں بعض مقبول ہوتی ہیں بعض غیر مقبول، جو راویوں کی تحقیق حال کے بعد متعین کی جاتی ہیں۔ پھر غربت میں بھی کئی قسمیں ہیں کہ اول سند کے اعتبار سے ہو یا آخر سند کے اعتبار سے۔ اور خبر واحد کا راوی اگر عادل ہو، حفظ کے اعتبار سے کامل ہو اور حدیث متصل السند ہو اور معلل اور شاذ نہ ہو تو اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں۔

کی چار قسمیں ہیں۔ یہ سب امور اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں، ہم نے یہ نور الانوار سے مختصراً نقل کئے ہیں۔

ابوداؤد شریف (بذل ص ۱۹۱) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ تمہارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے کہ مال کی کثرت ہو جائے اور قرآن عام ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کو مؤمن اور منافق، مرد، عورت، بڑا، چھوٹا غلام، آزاد سب پڑھنے لگیں گے تو ایک کہنے والا کہے گا کہ لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے۔ یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے یہاں تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑوں۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنے کو نئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہیو۔ کیونکہ جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔ فقط۔

جو لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں قرآن کو پھیلا دیا وہ حدیث بالاکی روشنی میں موجب ہلاکت اور فساد ہے، قرآن پاک کا ترجمہ برکت کی واسطے موجب برکت لیکن مسائل کا استنباط کرنا علوم قرآن سے واقفیت بغیر ہرگز جائز نہیں تا وقتیکہ ان علوم سے واقفیت نہ ہو جن کا ذکر مفصل اوپر گذرا کہ احکام کا مستنبط کرنا ان علوم پر موقوف ہے جو اوپر گزرے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ **يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ تَشَاءُ** الآیۃ۔ اس سے مراد ہے قرآن کی معرفت، اس کے نسخ و منسوخ، حکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور اس کے امثال وغیرہ کو جاننا۔

معلل اسے کہتے ہیں کہ جس کے اندر کوئی مخفی علت ہو۔ اور شاذ اسے کہتے ہیں کہ ثقہ راوی دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے اور ان اوصاف کے کم و بیش ہونے سے روایت کے درجہ صحت میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اعلیٰ درجہ صحیح لذاتہ کا ہے، دوسرا درجہ صحیح لغیرہ کا ہے۔ اسی طرح حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔ اس طرح سے حدیث کا معروف و منکر ہونا، محفوظ ہونا، متابع و شاہد ہونا، یہ اقسام حدیث ہیں جن کی تعریفیں معلوم ہونی ضروری ہیں تاکہ حدیث کا درجہ معلوم ہو سکے۔ اگر دو متعارض حدیثوں میں جمع ممکن ہو تو مختلف الاحادیث کہلاتی ہیں۔ اور جمع ممکن نہ ہو اور تاریخ معلوم ہو جائے تو ناسخ و منسوخ کہتے ہیں۔ اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو پھر وجہ ترجیح میں سے کسی کے ذریعہ سے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ اور وجہ ترجیح حازمی نے "کتاب الاعتبار" میں پچاس گنوائی ہیں۔ اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ دوسرے علمائے سوسے زائد وجہ ترجیح بتائی ہیں۔ چنانچہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب التکت میں سو گنوائے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں ستوے زائد گنوا کر لکھا ہے کہ اس سے زائد ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا مفصل مضمون آگے آ رہا ہے جس میں انہوں نے کسی حدیث پاک پر عمل نہ کرنے اور معمول بہ نہ قرار دینے کی دس وجہیں بیان کی ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ وجہ تو ظاہر ہیں اور بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں جن پر عمل ترک کرنے کیلئے متبحر عالم کے پاس کوئی ایسی وجہ ہوتی ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرتا۔ کیونکہ علم کا میدان بہت وسیع ہے اور ہم ان سب چیزوں کو نہیں سمجھتے جو ان علماء کے ذہنوں میں تھیں اور عالم کبھی اپنی حجت ظاہر کرتا ہے اور کبھی ظاہر نہیں کرتا۔ اور اگر ظاہر بھی کرے تو ہم تک بسا اوقات

اس کا کلام پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا اور..... اگر ہم تک پہنچ بھی جائے تو کبھی ہم اس کے احتجاج کی وجہ سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھ پاتے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا پورا کلام آگے آ رہا ہے۔ آگے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر وجہ ترجیح میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہاں توقف کیا جاتا ہے۔ اور روایت کبھی کسی راوی کے چھوٹنے کی وجہ سے اور کبھی کسی راوی میں طعن کی وجہ سے غیر مقبول ہو جاتی ہے۔ سند میں جو راوی چھوٹ گیا اگر وہ سند کے اوپر کی جانب یعنی درجہ صحابہ میں ہے تو اس کو مرسل کہیں گے۔ اور اگر مصنف کے استاد کی طرف سے ہو تو معلق کہلائے گی اور اگر کوئی راوی درمیان سند سے ساقط ہو جائے تو ایسی حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی پائے درپے چھوٹ گئے ہوں تو اس کو معضل کہتے ہیں۔ اور اگر یہ انقطاع ظاہر ہو تو ظاہر ہے ہی اور اگر ظاہر نہ ہو تو اس کو مدلس کہیں گے۔ پھر جن وجہ سے راوی میں طعن ہوتا ہے اس کی دس قسمیں ہیں:-

احادیث پر عمل کرنے کیلئے اصول حدیث پر واقفیت بہت ضروری ہے۔ ہنوز کے طور پر چند انواع ذکر کئے۔ ان کے علاوہ حافظ ابن حجر نے حدیث مقلوب مضطرب، مصحف، محرف، مرفوع، مقطوع، مسند، اعلو المطلق، العلو النسبی، الموافقة، پھر اس میں بدل مساوات، مصافحہ نزول، اقران، مدح، روایت الاکابر عن الاصاغر، السابق واللاحق مسلسل متفق و مفترق، مؤلف و مختلف، متشابہ وغیرہ ابجاث کا جاننا ضروری ہے۔

یہ حدیث کیلئے کافی نہیں کہ کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب دیکھ لی جائے اور محدث بن گئے اور اس سے مسائل کا استنباط شروع کر دیا۔ اور ان ابجاث میں حافظ ابن حجر نے خود لکھ دیا کہ ان سب ابجاث کا اس مختصر میں آنا مشکل ہے ان کیلئے مطولات دیکھی جائیں محض کسی حدیث کے ترجمہ کی کتاب یا فضائل کی کتاب دیکھ لینا کافی نہیں محدث بننا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح مترجم قرآن پڑھ لینا قرآن دانی کیلئے کافی نہیں تا وقتیکہ اس کے سب علوم سے غفلت نہ ہو ورنہ سخت غلطی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے۔ جیسے ایک صاحب اہل حدیث کا طریقہ تھا کہ جب بھی استنباط سے فارغ ہو کر آتے تو نماز وتر کی نیت باندھ لیتے کسی نے دریافت کیا کہ کیا پڑھتے ہو تو جواب دیا کہ حدیث میں ہے مَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ (کہ جو شخص استنجا کرے اس کو چاہیے کہ وتر پڑھے) حالانکہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص استنجا کرے اس کو وتر یعنی طاق حدود و صیلوں سے استنجا کرنا چاہیے۔ یہاں ان سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے عدد وتر کو نماز وتر سمجھا جو کھلی غلطی ہوئی۔

اسی طرح ایک صاحب اپنے کنویں سے دوسرے کو پانی کھیت میں دینے نہیں دیتے تھے اور سختی سے روکتے کیونکہ حدیث میں ہے وَلَا يَسْقِي أَحَدًا مَاءً وَلَا زرعًا غَيْرَهُ (کوئی شخص اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں نہ ڈالے) حالانکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی عورت مثلاً باندی دوسرے سے حاملہ ہو اور اس کی ملک میں آئے تو یہ اس سے صحبت نہ کرے۔ ماء سے مراد منی ہے اور زرع سے مراد شرمگاہ ہے۔ اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں جن کو ابن الجوزی نے تلبیس التلبیس میں لکھا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین سے پوچھا کہ تم بہت سی ایسی حدیثیں بتاتے ہو جن کی کوئی اصل قرآن میں نہیں ہوتی تو حضرت عمران بن حصین غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں کہیں پایا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ کا ہوگا، اور اتنی اتنی بکریوں میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کی ہوں گی اور اتنے اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ ہوں گے۔ کیا یہ سب چیزیں قرآن میں پائی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا کہ تم نے کہاں سے یہ چیزیں لیں۔ تم نے ہم سے اور ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور بہت سی چیزیں اسی طرح جزئی مسائل کی زکوٰۃ کے علاوہ ذکر فرمائیں جن کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کیلئے حدیث کا جاننا بہت ضروری ہے، اور ان سب کے جاننے کیلئے قرآن و حدیث کیلئے جو امور اہم و پر مذکور ہوتے جانا ضروری ہیں۔

اس مضمون کے ختم پر حضرت امام بخاری نے محدث کیلئے ایک چوڑا ارشاد فرمایا ہے جو رباعیات بخاری سے مشہور ہے مقدمہ او جز میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور میرے رسالہ اختلاف الأئمہ میں بھی ہے۔ اسی سے یہاں بھی نقل کرتا ہوں :-

محدثین نے علم حدیث کے تو غل کیلئے اس کی بصیرت اور اسمیں زبان و قلم ہلانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے ہیں۔ طالب حدیث کیلئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں۔ محدث و معلم کیلئے اس سے زیادہ ادب و سخی اور سخت حدود معین فرمائی ہیں۔ اگرچہ مضمون بے ارادہ ہے یہ رسالہ اشاعت العلوم سہا پور ہند اور دیگر کتب خانوں سے حاصل کیجئے۔

طویل ہو جا رہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاری کی ایک عجیب حکایت اس نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو گا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اور اس کا طالب علم بننے کیلئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جانکاسی کو فروری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت و شیخت .

محمد ابن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید ابن ابراہیم مقام ریی کے قضا سے معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے استاذ ابو ابراہیم خلی مجھے ساتھ لے کر انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ نے جو روایات حدیث ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے سنی ہیں ان کو روایت کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث کی روایات نہیں سنیں، میرے استاذ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی بات فرماتے ہیں۔ انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ جب میں عاقل بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غرض ظاہر کی۔ انہوں نے ناصحانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب کسی کام کا ارادہ کر دو تو اس سے پہلے اس کے متعلق اس کے لوازمات حالات دریافت کر لینا چاہئیں۔ اس کی حدود معلوم کر نیکی بعد اس کا ارادہ کرنا چاہئے، اب سنو! کہ آدمی محدث کا مل اس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں کے ساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار حالات کے ساتھ چار مقامات میں چار چیزوں پر چار نوع کے اشخاص سے چار اغراض کیلئے۔ اور یہ سب چوکڑے پورے نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ ہوں، اور جب یہ سب پورے

ہو جائیں تو اس پر چار چیزیں سہل ہو جاتی ہیں اور چار مصائب کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے اور جب ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں اکرام فرماتے ہیں اور چار چیزیں آخرت میں نصیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں ان چوکڑوں کی تفسیر تو فرمادیتے انہوں نے فرمایا، ہاں ہاں سنو!

وہ چار، جن کے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ احادیث اور احکامات اور صحابہ کے ارشادات اور ان صحابہ کے مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا ہے اور تابعین کے ارشادات اور ان کے حالات کہ کون شخص معتبر ہے اور کون غیر معتبر اور جملہ علماء و رواہ کے حالات اور ان کی تاریخ مع ان چار چیزوں کے کہ ان کے اسماء و رجال لکھے، ان کی کنیتیں، ان کے رہنے کے مقامات اور ان کی پیدائش و وفات کے زمانے (جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں سے روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے یا نہیں) ایسی لازمی ہے جیسے خطبے کے ساتھ حمد و ثنا اور رسل کے ساتھ دعاء یعنی ان پر صلوة و سلام اور سورت کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں کے) جیسے منادات، مرسلات، موقوفات، مقطوعات، کہ عظیم حدیث کی چار اقسام کے نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن میں، قریب البلوغ زمانہ میں، بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے) اور چار حالات کا مطلب یہ ہے کہ مشغولی کے وقت، فراغت کے وقت، تنگی میں اور توجری میں۔ غرض ہر حال میں اسی طرف لگا رہے اور اسی کی دھن ہو (چار مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر، دریاؤں میں، شہروں میں، جنگلوں میں

غرض جہاں جہاں کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے اس سے حاصل کرے (چار چیزوں پر) یعنی پتھروں پر، سیدپوں پر، چمڑے پر، ہڈیوں پر، غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے کی نوبت آئے جو چیز ملے اس پر لکھدے تاکہ مضمون ذہن سے نہ نکل جائے اور جن چار سے حاصل کرے وہ اپنے سے بڑے اور چھوٹے اور برابر کے اور اپنے باپ کی کتب سے بشرطیکہ اس کا خط پہچانتا ہو (غرض جس طرح بھی معلوم ہو سکے کوتاہی نہ کرے نہ اپنے برابر والے سے یا چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار کرے) چار چیزوں کی نیت سے سب سے مقدم حق سبحانہ تقدس کی رضا کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب رہنا غلام کا فرض ہے۔ دوسرے جو مضامین کتاب اللہ کے موافق ہوں ان پر عمل، تیسرے طالبین و شائقین تک پہنچانا۔ چوتھے تصنیف و تالیف کہ بعد میں آئیوں کے لئے شمع ہدایت باقی رہے۔ اور یہ سب مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کبھی ہیں کہ آدمی اپنی محنت سے مشقت سے ان کو حاصل کر سکتا ہے، وہ علم کتابت یعنی لکھنا اور علم لغت کہ جس سے الفاظ کے مطالب معلوم ہو سکیں اور صرف و نحو کہ جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہو سکے اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی عطیائے محضہ ہیں۔ بندہ کے کسب پر موقوف نہیں وہ صحت قدرت حرص علیٰ التعلیم اور حافظہ۔ اور جب یہ سب حاصل ہو جاویں تو اس کی نگاہ میں چار چیزیں (طلب علوم کے مقابلہ میں) حقیر ہو جاتی ہیں۔ اہل اولاد۔ مال اور وطن اور پھر چار مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دشمنوں کی شہادت، دوستوں کی مٹا

جاہلوں کے طعنے اور علما کا حسد۔ اور جب آدمی ان سب پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے ہیں اور چار آخرت میں دنیا کی چار حسب ذیل ہیں :- اول قناعت کے ساتھ عزت دوسرے کمال یقین کے ساتھ وقار و ہیبت اور تیسرے لذت علم اور چوتھے دائمی زندگی۔ اور آخرت کی چار یہ ہیں :- اول شفاعت جس کے لئے دل چاہے۔ دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی نہیں ہوگا، تیسرے حوض کوثر سے جس کو دل چاہے پانی پلائے۔ چوتھے انبیاء کا قرب اعلیٰ علیتین میں۔

پس بیٹا! میں نے جو کچھ اپنے مشائخ سے متفرق طور پر سنا تھا مجھلا سب بتا دیا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث کا مشغلہ اختیار کر یا نہ کر۔ فقط۔

فِ

فقہ کی تعریف جو عام طور سے فقہاء کرام نے لکھی ہے یہ ہے کہ :
 فقہ کہتے ہیں شریعت کے فروعی احکام جاننے کو جو تفصیلی دلائل
 سے حاصل ہوں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف اس طرح منقول ہے
 کہ ”فقہ کہتے ہیں نفس کے لئے مضر اور نافع چیزوں کے جاننے کو“ لیکن
 امام صاحب کی یہ تعریف عقائد اور اخلاق اور اعمالِ ظاہرہ سب کے شامل
 ہے لیکن بعد والوں نے اعتقادات کے متعلقات کا نام علم الکلام رکھ دیا
 اور اخلاقیات کے متعلقات کا نام علم الاخلاق و تصوف رکھ دیا اور اعمالِ ظاہرہ
 کے متعلقات کو فقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

حضرت مولانا اعجاز علی صاحب نے مقدمہ کنز الدقائق میں حاوی قدسی
 سے نقل فرمایا ہے کہ فقہ کے معنی لغت میں وقوف یعنی واقفیت اور اطلاع کے
 ہیں اور شریعت میں وقوف خاص یعنی مخصوص علم مراد ہے یعنی نصوص کے معانی
 اور ان کے اشارات و دلالات اور مقتضیات پر وقوف۔ اور دوسری جگہ لکھا
 ہے کہ فقہ ایک ایسی قوت و استعداد ہے جس سے منقول کی تصحیح اور معقول
 کی ترجیح کی جاتی ہے..... اور ماخذ فقہ کا قرآن پاک، سنت مطہرہ، اجماع
 اور قیاس (جیسا کہ شروع میں نور الانوار سے منقول ہو چکا) ہے۔ لہذا فقہ
 کیلئے بھی ان چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے ذیل میں

لکھا جا چکا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے التکشف میں یہ
 لکھا ہے ”شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا، اس میں اعمالِ ظاہری
 و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مراد
 سمجھتے تھے جیسے امام ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعریف میں منقول ہے معرفۃ
 النفس مآلہا و مآ علیہا پھر متاخرین کی اصطلاح میں اعمال
 ظاہرہ سے متعلق علم کا نام فقہ ہو گیا ہے اور اعمالِ باطنہ سے متعلق علم کا نام
 تصوف و طریقت ہو گیا“ (التکشف ص ۱۵۷) یضمون حضرت نے امداد الفتاویٰ
 میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرائی نے المیزان الکبریٰ (ص ۱۶۲) ایک کتاب
 لکھی ہے جو مجھے تو بہت پسند آئی اور طالب علمی کے اخیر زمانہ میں اور مدرسہ
 کے ابتدائی زمانہ میں بہت کثرت سے میرے مطالعہ میں رہی۔ ان کی کتاب کا
 موضوع یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین میں حقیقت کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔
 ظاہری طور پر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے
 مثلاً امام ابو حنیفہؒ نے رفع یدین کا انکار اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا
 اور حضرت امام شافعیؒ نے رفع یدین کا اثبات اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا۔
 امام ابو حنیفہؒ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور رفع یدین کی حقیقت
 طرح دنیا و راہِ نظرہ ہے ان کے زمانہ میں ایک دفعہ جب دنیا کو پھینک
 دیا تو پھر وہ نماز میں ہٹ کر نہیں آئے تھی اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ
 میں کہ ان کی پیدائش اس سال میں تھی جس سال میں امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہوا۔

دنیا پھینکنے کے بعد پھر آگئی تھی اس لئے دنیا کو بار بار رفع یدین سے پیچھے پھینکنا پڑے تھا نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹنا اکابر کے لئے ہے اور نہ ٹوٹنا عوام کے لئے اگرچہ احتیاط حنفیہ کے یہاں بھی یہی ہے کہ وضو کرنا تاکہ خروج عن الخلاف ہو (میزان ص ۱۳۱)

امام شرفانی نے اپنے مراقبہ اور مکاشفے سے اختلاف ائمہ کے سلسلہ میں بہت سے قبوتوں کے نقشے دیئے ہیں۔ اور تشکیلوں سے بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن کی صورتیں جدولوں کے طور سے بنائی ہیں، ہم ان میں سے صرف دو ذکر کرتے ہیں۔

(یہ صورتیں اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

وهذا امثال طرقتنا ائمة المجتہدين الى ابواب الجنة وان كل من عمل بهذه من غير ان يخالصها وصله الى باب الجنة

طريق حنيفة الى الجنة	طريق امام الاخوان الى باب الجنة	طريق الامام الشافعي الى الجنة	طريق الامام احمد الى الجنة	طريق اتباع الامام ابو حنيفة الى باب الجنة	طريق اتباع الامام ابو يوسف الى باب الجنة	طريق اتباع الامام اسحاق الى باب الجنة	طريق اتباع الامام اسحاق الى باب الجنة	طريق اتباع الامام اسحاق الى باب الجنة
----------------------	---------------------------------	-------------------------------	----------------------------	---	--	---------------------------------------	---------------------------------------	---------------------------------------

وهذا امثال قباب الائمة المجتہدين على نحو الحياة في الجنة الذي هو مظهر حجة الشريعة المطهرة في الدنيا وانما ذكرنا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قباب الائمة الاربعة لانهم ما نالوا هذا المقام الا باتباع شريعتهم من كمال بغيتهم والجنة شهود ذاتة صلى الله عليه وسلم فامله لهدى ان شاء الله تعالى :

قبلة النبي صلى الله عليه وسلم	قبلة ابي حنيفة رضي الله عنه	قبلة مالك رضي الله عنه	قبلة الشافعي رضي الله عنه	قبلة احمد رضي الله عنه
----------------------------------	--------------------------------	---------------------------	------------------------------	---------------------------

امام شرفانی نے پہلی مثال کے بارے میں لکھا ہے کہ نقشہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب کے راستوں کی ایک مثال ہے اور یہ راستے سید سے جنت کی طرف جارہے ہیں۔ جو شخص بھی علوم کے ساتھ ان مذاہب میں سے کسی ایک پر عمل کرے گا وہ (النسار اللہ) سیدہ حاجت کے دروازہ پر پہنچے گا۔ اور دوسری مثال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ائمہ مجتہدین کے قبوتوں اور منزلوں کا نقشہ ہے جو واقع ہے جنت کی ہر حیات پر جس کا دنیا میں وجود بصورت دریائے شریعت مطہرہ ہے اور ہم نے اس نقشہ میں ائمہ کے قبوتوں کے متصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے ذکر کیا ہے کہ ان حضرات ائمہ اربعہ کو جو کچھ مقام عالی حاصل ہوا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اتباع کا نتیجہ ہے پس جنت میں انکی قبوتوں اور راستوں کا کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باکمال وجمال کے مشابہہ اور حضور میں مجسم ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے تمام ائمہ مجتہدین میں سے صرف ائمہ اربعہ کو نقشہ میں اسلئے نیلے کہ ان چاروں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ باقی ائمہ میں سے صرف انھیں کا فقہ اور آہنی کے مذاہب شریعت سے اسب تک دنیا میں بدون دم تہ اور محفوظ ہیں۔ اور ان چاروں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نیابت حاصل ہے۔ اسلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت محمدیہ تک رہنمائی کرنے میں اور ان چار حضرات کو آپ سے ایسی خصوصی واسطی ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چاروں ائمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں جلا ہیں اور نہ آخرت میں۔ اس نقشہ میں جس ترتیب سے میں نے قبے بنائے ہیں وہ عقلی اور کوئی قیاس نہیں ہے بلکہ انکی شکل اس شکل کے مطابق ہے جو میں نے جنت میں اپنے بعض احوال میں دیکھی ہے :

قال محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن

امام شمرانی نے امام ابو حنیفہؒ کا نام سب سے اوپر کے جدول اور قبتہ میں لکھا اور اس کا منشاء و ماخذ اپنے کشف کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام شمرانی اصحاب کشف میں سے تھے۔ میرے خیال میں ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ائمہ اربعہ کے زمانے اسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب پر یہ قبتہ ان پر منکشف ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں ہے۔ مدت حیات ۷۰ سال، امام مالکؒ کی ولادت ۱۷۹ھ میں ہے اور وفات ۲۴۱ھ میں ہے۔ مدت حیات ۶۲ سال، امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہے اور وفات ۲۴۱ھ میں ہے، مدت حیات ۹۱ سال، امام احمدؒ کی ولادت ۱۶۲ھ میں ہے اور وفات ۲۴۱ھ میں ہے، مدت حیات ۷۹ سال۔

میرے خیال میں امام عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعظم فضائل کے اعتبار سے تو کہا جاتا ہی ہے عمر کے اعتبار سے بھی امام عظیم سب سے بڑے ہیں۔ تکمیلًا للفائدۃ ائمہ سے حدیث کا بھی زمانہ لکھتا ہوں۔

امام بخاریؒ	ولادت ۱۹۴ھ	وفات ۲۵۶ھ	مدت حیات ۶۲ سال
امام مسلمؒ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ	۵۷
امام ابوداؤدؒ	۲۰۲ھ	۲۴۵ھ	۴۳
امام ترمذیؒ	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ	۷۰
امام نسائیؒ	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ	۸۸
امام ابن ماجہؒ	۲۰۹ھ	۲۷۳ھ	۶۴

ان میں سے اکثر تفایح و سنین صاحب مشکوٰۃ کی مشہور تالیف الکمال سے

مانوئے ہیں۔

اجتہاد

اجتہاد کے متعلق جناب الحاج مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ علمائے سلف نے ایسے عالم کیلئے جس کی تقلید کرنی چاہیے (یعنی مجتہد کیلئے) ایک معیار مقرر کیا ہے۔ حضرت شاہ دلی اللہ صاحب قدس سرہ محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجید میں فرماتے ہیں اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ خوب محنت کرنا دریافت کرنے میں شریعت کے احکام فرعی کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جن کی کلیات کا حال چار قسم پر ہے، یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس پر۔ اور اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد والے کو ضروری ہے کہ قرآن و حدیث اس قدر جانتا ہو کہ جو احکام سے متعلق ہے اور اجماع کے موقعوں اور قیاس صحیح کی شرطوں اور نظر کی کیفیت اور علم عربیت اور نسخ اور منسوخ اور رادیوں کے حال سے واقف ہو۔ اور اجتہاد میں علم کلام اور اصطلاحی علم فقہ کی کچھ حاجت نہیں..... اور یہ جو ہم نے اجتہاد کی شرط ذکر کی ہے اصول کی کتابوں میں مشروع موجود ہے۔ اور کچھ مضائقہ نہیں کہ امام بغوی کا قول اس مقام میں یعنی بیان شرط اجتہاد میں ذکر کیا جائے۔ بغوی نے کہا ہے کہ مجتہد وہ عالم ہے کہ پانچ طرح کے علم کا حامی ہو: اول علم کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا۔ دوم علم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ سوم علم علماء سلف کے اقوال کا کہ ان کا اتفاق کس قول پر ہے۔

اور اختلاف کس قول میں۔ چہارم علم لغت عربی کا پنجم علم قیاس کا اور قیاس طریقہ حکم کے نکالنے کا قرآن و حدیث سے ہے جس صورت میں کہ حکم مذکور صریح قرآن یا حدیث یا اجماع کے نصوص میں مجتہد نہ پائے۔

(اب ان پانچوں علموں کی مقدار مفصل معلوم کرنی چاہیے کہ مجتہد کے لئے ہر ایک علم کتنا سیکھنا چاہیے) تو قرآن کے علم میں سے اس پر ان باتوں کا جاننا واجب ہے۔ نسخ و منسوخ وغیرہ (اس کی تفصیل عنوان قرآن پاک کے ذیل میں گذر گئی) اور حدیث میں سے ان اشیاء مذکورہ کا جاننا اور نیز صحیح وغیرہ (جن کا بیان عنوان حدیث کے ذیل میں گذر چکا) اسی طرح زبان عربی کے ان الفاظ کا جاننا واجب ہے، جو قرآن یا حدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں نہ یہ کہ سب لغت عربی کو جانے۔ اور بہتر یہ ہے کہ لغت دانی میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے۔ اس طرح کہ اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہوتی ہے اس لئے کہ خطاب شریعت عربی زبان میں وارد ہوا ہے تو جو شخص عربی نہ جانے گا وہ شائع علیہ السلام کا مقصود نہ پہچانے گا اور اقوال صحابہ اور تابعین میں سے اس قدر جانے جو درباب احکام منقول ہیں۔ اور بڑا حصہ ان فتووں کا جانے جو امت کے فقہاء نے دیئے ہیں تاکہ اس کا حکم مخالف سلف کے اقوال کے نہ پڑے ورنہ اس صورت میں اجماع کی مخالفت ہوگی اور جب ان پانچوں اقسام کے علموں میں سے بڑا حصہ جانتا ہوگا تو وہ شخص اس وقت مجتہد ہوگا اور یہ شرط نہیں کہ سب علموں کو باہل جانتا ہو حتیٰ کہ کوئی چیز ان علوم کی اس سے باقی نہ رہے اور اگر ان علوم پنچگانہ میں سے ایک قسم سے بھی ناواقف ہو تو اس کی بسیل دوسرے کی تقلید کرنا ہے۔ انتہی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مغنی ص ۳۸۳ میں لکھتے ہیں کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے چھ چیزوں کا جاننا ہے۔ قرآن پاک، حدیث شریف، اجماع، اختلاف قیاس اور عربی زبان۔ قرآن پاک کے بائے میں دس چیزوں کا جاننا ضروری ہے خاص عام وغیرہ (اس کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور حدیث میں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہیں نہ ساری احادیث جن میں جنت و نرج وغیرہ کا ذکر ہے اور قرآن پاک کیلئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے وہ سب احادیث پاک کیلئے بھی ضروری ہے۔ ان کے علاوہ احادیث کے اقسام آحاد وغیرہ (ان کی تفصیل پہلے گذر چکی) اور ان مسائل کا جاننا ضروری ہے جو علماء میں مجمع علیہا یا مختلف فیہا ہیں اور قیاس میں اس کے شرائط، انواع کیفیت التنباط وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔ اور عربی زبان میں سے اتنی مقدار کا جاننا جو امور مذکورہ کے متعلق ہو۔

حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین ص ۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب نے کتاب الفقہ و المتفقہ میں امام شافعی کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فتوے دے۔ سوائے اس شخص کے جو کتاب اللہ کا عالم ہو اور اس کے نسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، تاویل و تنزیل، مکی و مدنی اور اس کی مراد سے واقف ہو۔ اور ان سب کے بعد حدیث شریف سے بھی واقف ہو اور اس کے نسخ و منسوخ وغیرہ اور قرآن کے بائے میں جو علوم گذرے حدیث کے بائے میں بھی ان سب کو جاننا ہو۔ اس کے بعد لغت عربی سے واقف ہو اور اشعار عرب سے بھی واقف ہو۔ اور قرآن و حدیث کے سب سے میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سب کو جاننا ہو۔ اور اس سب کے بعد علماء کے

اختلاف اقوال سے بھی واقف ہو۔ اور یہ سب چیزیں اس کی (کثرت مکتبہ کی وجہ سے) طبعی بن جائیں۔ جب اس کا یہ حال ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ فتویٰ دے اور جو اس درجہ تک نہ پہنچے اُس کو فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور صالح ابن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبلؒ) سے پوچھا کہ آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بے میں جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ حدیث کے موافق فتویٰ دیدے اور فقہ سے واقف نہ ہو؟ تو فرمایا کہ جب کوئی شخص منصب افتاء پر بیٹھے تو اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی وجہ سے واقف ہو، احادیث سے واقف ہو اور اسانید صحیحہ کا عالم ہو اور اس کے بعد اوپر والا سارا کلام (امام شافعی صاحبؒ والا) ذکر کیا۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب جائز ہے تو فرمایا کہ جب احادیث سے واقف ہو اور رائے میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یحییٰ ابن اکثمؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب درست ہے؟ تو فرمایا کہ جب رائے میں بھی بصیرت رکھتا ہو اور احادیث میں بھی بصیرت رکھتا ہو۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رائے سے مراد قیاس صحیح اور معانی اور علل صحیحہ مراد ہیں جن پر شائع نے احکام کا مدار رکھا ہے اور ان کو احکام میں مؤثر بنایا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۱۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ عقدا الجید ص ۵ میں فرماتے ہیں کہ جو شخص ان علوم (مذکورہ بالا) کے معظم حصہ کو جان لے تو وہ مجتہد ہے۔ رافعی نوادی وغیرہ بہت سے حضرات نے (جن کا احصاء مشکل ہے) تصریح کی ہے کہ مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں، مستقل اور منتسب۔ اور ان کے کلام سے یہ ظاہر

ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔ اول اصول میں تصرف کر سکتا ہے جن پر اس کے مذہب کی بنا ہے۔ دوسرے یہ کہ آیات، احادیث اور آثار کا تتبع کرتا ہے ان مسائل کیلئے جو اُس کو درپیش ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے راجح کو اختیار کرتا ہے اور ان ادلہ کے جو ماخذ ہیں ان پر متنبہ کرتا ہے۔ اور تیسرے ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان ہی ادلہ کی روشنی میں۔ اور مجتہد منتسب وہ ہے جو اصول میں تو اپنے شیخ کا متبع ہو اور تتبع ادلہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان ادلہ سے مسائل مستنبط کرنے پر قادر ہو اور جو ان دونوں سے نیچے ہو وہ مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے وہ اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے۔ لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا تو اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کا کوئی نص نہیں ملتا تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے اُس کے قواعد پر۔ اور ان سب کے اخیر کا درجہ فی الفتنیا کا ہے اور وہ اپنے امام کے مذہب میں متبحر ہوتا ہے اور ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے پر قادر ہوتا ہے۔ انتہی۔

علامہ ابن عابدین نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفاتی میں فقہاء کے سات طبقے تحریر فرمائے ہیں:-

(۱) طبقة المجتہدین فی الشرع، جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ جنہوں نے قواعد تجویز کئے اور فرعی مسائل کے احکام ادلہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے مستنبط کئے بغیر کسی کی تقلید کے فروع یا اصول میں۔

(۲) دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور وہ سائے امام ابو حنیفہؒ کے تلامیذ جنہوں نے امام صاحب کے قواعد کی روشنی میں احکام کی تخریج دلائل سے کی ہے اور ان حضرات نے اگرچہ بعض فروع میں اختلاف کیا ہے مگر اصول میں امام صاحب کے مقلد ہیں۔ اور یہی فرق ہے ان حضرات میں اور معارضین فی المذہب میں جیسے امام شافعیؒ وغیرہ جو امام صاحب کے اصول میں مقلد نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں امام صاحب سے کوئی نص منقول نہیں۔ جیسے خصاص طحاوی، کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ نخرسی، فخر الاسلام بزدوی قاضی خان وغیرہ کہ یہ حضرات امام کی مخالفت نہ اصول میں کرتے ہیں نہ فرع میں لیکن ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں امام صاحب کا کوئی قول منقول نہیں، امام صاحب کے ہی اصول مقررہ پر۔

(۴) چوتھا طبقہ اصحاب التخریج کا ہے، جیسے ابو بکر رازی وغیرہ کہ یہ حضرات ایسے قول مجمل کی تفصیل پر جس میں دو احتمال ہوں قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ اور ان جیسے لوگ۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پرفضیلت دیتے ہیں کہ یہ اولیٰ ہے یا یہ زیادہ صحیح ہے یا یہ لوگوں کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

(۶) چھٹا طبقہ ان مقلدین کا ہے جو قوی اور ضعیف کے درمیان تمیز کر سکیں اور ظاہر مذہب اور ظاہر الروایۃ، روایت نادرہ میں تمیز کر سکیں صاحب کنز، صاحب الوقایۃ اور صاحب المختار وغیرہم۔

(۷) ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہ ہوں اور نہ اولیٰ وغیر اولیٰ، راجح و مرجوح میں فرق نہ کر سکیں۔

مولانا اعجاز علی صاحب نے اجتہاد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اجتہاد اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ پوری کوشش کرے حکم شرعی پُر ظن حاصل ہونے کیلئے۔ اس کے بعد اجتہاد کے شرائط بیان کئے ہیں جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی شرط مجتہد کا آلہ ہیں۔ جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعویٰ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بنیر سیر بھی کے آسمان پر چڑھنے کا دعویٰ کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ امام کو ان علوم کی مزاولت اور ادلہ میں تامل کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ استنباط احکام ادلہ سے کر سکے اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر اپنے استنباطات اور تفریعات کی بنیاد رکھے۔ جیسے امام شافعیؒ اور بقیہ ائمہ کے قواعد ہیں۔ اور یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو حقیقت اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ اجتہاد کیلئے تنہا مذکورہ بالا علوم کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ملکہ مذکورہ کا پیدا ہونا اور قواعد کا وضع کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا جو ان علوم میں سے کسی سے ناواقف ہو یا ان سب کو حاصل کر تو لیا مگر یہ ملکہ پیدا نہ ہو یا اگر ملکہ بھی پیدا ہو گیا مگر اس نے قواعد وضع نہیں کئے اور اجتہاد کا دعویٰ کیا تو اُس نے غلطی کی۔ علامہ سیوطی نے مع اپنی جملالتہ قدر کے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو منادی فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعویٰ کے خلاف علماء عصر میں قیامت برپا ہوگی اور مناظرہ کیلئے چیلنج کیا تو اس سے انہوں نے انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو سب نے

ان پر فوراً حملہ کیا اور ان کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذوق و جہمیں تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو وہ اس میں سے جو راجح ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں۔ تو انہوں نے سوال کا پرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا اور یہ عذر کیا کہ مجھے مشغولی کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اس کے بعد ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس منصب کی مشکلات پر غور کر دو کہ یہ تو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ کا حال تھا اس سے واضح ہو چکا کہ جو شخص اس ادنیٰ درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ اجتہاد مطلق، تو ایسا شخص اپنے بائے میں حیرت میں ہے اور فساد فکر میں مبتلا ہے اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور جس نے بھی اجتہاد مطلق کے مرتبہ کو سمجھ لیا ہے وہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کی نسبت کسی کی طرف کرنے سے شرمائیکہ بلکہ علامہ ابن الصلاح اور ان کے اتباع فرماتے ہیں کہ اجتہاد مطلق تین تتر سو سال سے بند ہو چکا ہے (ابن صلاح ساتویں صدی ہجری کے ہیں یعنی چوتھی صدی کے بعد سے بند ہے) بلکہ ابن صلاح نے بعض اصولیین سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا۔ پھر لکھا ہے کہ جب کہ ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ امام الحرمین امام غزالیؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود اصحاب و جرحہ میں ان کا شمار ہے یا نہیں، اور ائمہ نے روایاتی حساب البحر کے بائے میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب و جرحہ میں سے نہیں تھے، حالانکہ روایاتی فرمایا کرتے تھے کہ اگر امام شافعیؒ کی روایات ضائع ہو جائیں تو میں انہیں یاد سے لکھوا دوں گا۔ تو جب یہ اکابر بھی اجتہاد فی المذہب کے اہل نہ ہو سکے تو ان لوگوں کو جب ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے جائز ہوگا کہ اس سے بھی اونچے درجہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ کریں۔ سُبْحَانَكَ هَذَا أَيُّهَا الْعَظِيمُ

اور امام رافعی سے منقول ہے کہ علماء کا تقریباً اجماع ہے اس بات پر کہ آج کوئی مجتہد نہیں۔

یہ طویل مضمون ہے جو قابلِ دید ہے۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی زاد مجہم کا ایک مضمون رسالہ "الداعی" ویو بند آخر شعبان ۱۳۹۶ھ میں چھپا ہے جو بہت جامع اور مختصر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ اجتہاد جس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں سنہ سے منقطع ہو گیا، اس سے مراد اجتہاد مطلق ہے۔ اس کی تصریح ابن صلاح اور ابن حجر مکی نے کی ہے بلکہ ابن الصلاح نے بعض اصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد سے کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوا۔ اور علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابن جریر طبریؒ کے، مگر اس کو قبول نہیں کیا گیا۔ یہ تو رہا تازہ سخی واقعہ، باقی یہ بات کہ کوئی مجتہد مطلق مستقل ائمہ اربعہ کے بعد ہو سکتا ہے یا نہیں تو علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں۔ اور مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے، البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلم ہے۔

❖ ❖ ❖

ہے مگر نادر وقوع ہے اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد مستعین ہو گیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے معتمد اقوال اسناد صحیحہ کے ساتھ مروی ہوں اور شہور کتب کے اندر مدون ہوں اور ان پر علماء کی طرف سے شرح و حواشی لکھے گئے ہوں کہ اس سے محتملات میں سے راجح کو بیان کیا گیا ہو۔ بعض مواقع میں عام کو خاص اور بعض مواقع میں مطلق کو مقید کیا گیا ہو اور اس سے احکام کی علت بیان کی گئی ہو۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو ان پر اعتماد صحیح نہ ہوگا۔ اور اس زمانہ میں کوئی مذہب (اہل سنت و جماعت کے) مذاہب اربعہ کے علاوہ اس صفت کے ساتھ متصف نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو اور جب تمام مذاہب فقہ مذاہب اربعہ کے علاوہ ختم ہو گئے تو اب مذاہب اربعہ کا اتباع ہی سواد اعظم کا اتباع ہوگی اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ زمانہ دراز گزر جانے اور امانت داری ضائع ہو جانے کی وجہ سے علماء سواد اعظم پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ یہ لوگ ان حضرات کی طرف غلط باتیں منسوب کر سکتے ہیں جن کا صدق اور امانت داری مشہور ہے اور یہ وسائل جو کمہ قابل اعتماد نہیں ہیں اس لئے ان کی روایات قبول نہیں کی جاسکتی ہیں۔ رہا مسئلہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا، سوان کی پابندی اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مذاہب مدون ہیں اور ان کی کتابیں قابل قبول اور معتبر ہیں۔ اس وجہ سے ان کی طرف غلط باتیں منسوب نہیں ہو سکتی ہیں“ (عقد الجدید ص ۱۳)

مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ ص ۱۳ اس سوال کے جواب میں کہ

ائمہ مجتہدین متبوعین کا چار میں انحصار

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ عقدا لجید میں فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے ”جان کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مناسبت ہے اور ان چاروں سے نکلنے میں بڑا مفسدہ بڑی (خرابی) ہے جس کو ہم دلائل سے بیان کرتے ہیں :-

اول یہ کہ اُمت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے جاننے میں سلف پر اعتماد کرے، اسی وجہ سے تابعین نے اس بلے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طریقہ سے ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا۔ اور عقل بھی اس کے اچھے ہونے پر دلالت کرتی ہو کیونکہ شریعت نقل اور استنباط ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، اور نقل اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے والوں سے اتصال کے ساتھ حاصل کیے اور استنباط میں ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانے تاکہ ان سے نکل کر اجماع کو توڑنے والا نہ بنے اور ان ہی پر اپنے قول کی بنا رکھے اور اس بلے میں ہر طبقہ اپنے سے پہلے والے سے مدد لے کیونکہ صناعتیں جیسے صرف، نحو، طب، شعر، آہنگری، نجاری، رنگریزی وغیرہ کسی کیلئے اس وقت تک آسان نہیں ہوتی جب تک وہ ان کے اہل کے ساتھ نہ رہے۔ اور اس کے خلاف اگرچہ عقلاً ممکن

تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی کی کیوں کی جاتی ہے، کیا کوئی دوسرا امام اس درجہ کا نہیں ہوا جس کی تقلید کی جائے اور کیا ائمہ اربعہ کی تقلید کا حکم کسی نص میں وارد ہوا؟ تحریر فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ پر سلسلہ تقلید ختم ہونا کوئی امر عقلی یا شرعی نہیں بلکہ محض اتفاقی ہے کہ مشیت خداوندی سے ان چار مذاہب کے سوا اور جتنے مذاہب تھے مندرس ہو گئے اور مٹ کر کائن لہریکن ہو گئے۔ دو چہار دہ بیٹے یا پچاس سو اقال و احکام اگر آج ان کے منقول اور موجود بھی ہوں تو وہ کوئی مستقل مذہب نہیں بن سکتا کہ لوگ اس کی تقلید کیا کریں۔ کیونکہ اگر ان تنویر پچاس احکام میں ان کی تقلید کر بھی لو تو باقی ہزاروں مسائل میں کیا کریں گے۔ اب جب کہ دیکھا گیا کہ کل مذاہب سوائے ان چار مذاہبوں کے مندرس ہو گئے تو ناچار سلسلہ تقلید ان ہی میں منحصر ہو گیا۔ چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں ظاہریہ کے مذہب پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمة
و انكار الجمهور على منتحليه ولم يبق الا في
الكتب المجلدة .

مفتی صاحب نے صرف عربی عبارت لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :-

” پھر اہل ظاہر کا مذہب اس زمانہ میں مٹ گیا ان کے ائمہ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اور جمہور کے ان کے مقلدین پر انکار کرنے کی وجہ سے اور صرف کتابوں ہی میں اس کا وجود رہ گیا۔“

اور اس میں یہ بھی مصرح ہے :-

ووقف التقليد في الامصار عند هؤلاء الاربعة و

درس المقلدون بمن سواهم الخ .

یعنی ”تمام علاقوں میں ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید برقرار رہی۔ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے سب ختم ہو گئے اور اسی پر سب متفق ہو گئے۔ ہمیں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اور جب علوم میں مختلف اصطلاحات کی کثرت ہوئی اور مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا (عدم وجود شراط کی وجہ سے) مشکل ہو گیا اور جب اجتہاد کے غیر مستحق کی طرف منسوب ہونے کا خوف ہوا۔ اور ایسے لوگوں کی طرف جن کے دین اور جن کی رائے پر اعتماد نہ کیا جاسکے تو علمائے عجم عن الاجتہاد کی تصریح کر دی اور لوگوں کو ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص ایک کی تقلید کا پابند کر دیا اور دو اماموں کی بیک وقت تقلید سے منع کر دیا کہ یہ تلامب اور تلیفیق ہے اور غیر متبوع ائمہ کے مسائل کی صرف کتابوں میں نقل ہی رہ گئی ان کی فقہ کی اپنی کتابیں مستقل طور پر مدون نہیں اور ہر مقلد نے اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنا تصحیح اصول اور اتصال سند کے بعد شروع کر دیا اور فقہ کا حامل اس زمانہ میں سوائے اس کے یعنی اپنے امام کی تقلید کے اور کچھ نہیں رہا اور اب اس زمانہ میں اجتہاد کے مدعی کا دعویٰ ناقابل تسلیم ہے اور اس کی تقلید مجرور و متروک“ اور اہل اسلام اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہو گئے۔

اور شیخ ابن ہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع على عدم العمل بالماذاهب المخالفة
للائمة الاربعة .

(ائمہ اربعہ کے علاوہ مذاہب پر عمل نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو گیا)

اور علامہ ابن حجر مکی فتح البین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں :-

اما في زماننا فقال ائمتنا لا يجوز تقليد غير الائمة الاربعه
 الشافعي ومالك والى حنيفة واحمد بن حنبل -
 (اور ہمارے زمانہ میں تو ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ امام شافعی
 امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل کے علاوہ کسی کی تقلید
 جائز نہیں)

اب کسی کا اس پر یہ دلیل طلب کرنا کہ تقلید چار میں کیوں منحصر ہوگی محض
 بے محل ہے اور بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص کی اولاد کثیر ہو لیکن وہ مرتے رہیں یہاں
 تک کہ جب باپ کا انتقال ہو تو چار بیٹوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے۔ اب ظاہر
 ہے کہ تقسیم میراث ان ہی چاروں میں منحصر ہوگی حالانکہ اولاد ان کے سوا اور بھی
 تھی۔ لیکن آپ نے کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہوگا کہ میراث ان ہی چار میں کیوں منحصر ہوگی
 اور جو کوئی کہے تو اس کا جواب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مشیت ایزدی ہی تھی۔

ملا جیون صاحب نے تفسیر احمدی میں لکھا ہے :-

والانصاف ان اغصار المذاهب في الاربع فضل الهی
 وقبولية من عند الله تعالى لا مجال فيها للتوجيهات
 والادلة .

(انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں انحصار محض فضل اور
 قبولیت من عند اللہ ہے۔ اس میں دلائل اور توجیہات کی کوئی
 گنجائش نہیں۔ جواہر الفقہ)

تقلید

جب اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور مذاہب ائمہ اربعہ کے مذاہب
 میں منحصر ہو گئے تو ان کی تقلید ضروری ہو گئی۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ
 لوگ تقلید کی حقیقت سے واقف نہیں، تقلید نعوذ باللہ، خدا نخواستہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی سنت کے مقابلہ میں کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے بلکہ ائمہ مجتہدین نے قرآن
 کریم اور احادیث نبویہ و آثار صحابہ سے جو مسائل استنباط کئے ان کو تسلیم کر لینا ہی
 تقلید ہے۔ کیونکہ تقلید کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ فردی مسائل فقہیہ میں غیر مجتہد
 کا مجتہد کے قول کو تسلیم کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا اس اعتماد پر کہ اس
 مجتہد کے پاس دلیل ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت جابر سے ایک روایت ہے کہ
 انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ایک سفر میں نکلے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو
 پتھر آکر لگا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا۔ اور اس کے بعد ان کو غسل کی ضرورت پیش آئی
 انہوں نے اپنے رفیقار (صحابہ کرامؓ) سے پوچھا کیا میرے لئے شرعاً تیمم کی اجازت ہے ؟
 انہوں نے فرمایا کہ تیمم کی اجازت نہیں کیونکہ پانی موجود ہے۔ اس پر انہوں نے غسل کر لیا
 جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ واپسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتلوا قتلاہم قتلاہم اللہ۔ یعنی ان ہی لوگوں نے
 اس کو مارا خدا ان کو بھی موت دے (بیان القرآن) جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو انہوں نے
 کسی (عالم) سے کیوں نہ پوچھا کیونکہ عاجز کی شفاعت سوال میں ہے۔

ان حضرات نے قَلَّمُ تَجِدُّ وَمَاءٌ کے ظاہر لفظ کے عموم کو دیکھتے ہوئے

اسی پر فتوے دیدیا۔ حالانکہ اجتہاد اور فتوے کے لئے بڑی شرائط تھیں جو پہلے گزریں۔
اسی واسطے شیخ الاسلام و حافظ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ جمہور
امت کا مذہب یہ ہے کہ اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی جائز ہے۔ اجتہاد اس کیلئے
جو اس پر قادر ہو اور تقلید اس کیلئے جو اجتہاد سے عاجز ہو۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے کسی معین امام کے مذہب کا اتباع اُس
وقت جائز ہے جبکہ وہ اس مذہب کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے شریعت کا امر حاصل
نہ کر سکتا ہو۔ لیکن اگر دوسرے ذریعہ سے معرفت شریعت ممکن ہو تو اس متعین مذہب کا
اتباع اُس پر واجب نہیں ہے۔ ۲۹۲

علامہ ابوالولید باجی مالکی شاح موطا اپنی کتاب الحدود فی الاصول صفحہ ۱۱۲
میں تحریر فرماتے ہیں کہ تقلید یہ ہے کہ جس کی تقلید کی جائے اُس کے قول کو بلا دلیل مان لے
چاہے اُس کو دلیل بھی معلوم ہو جائے۔ یہ اُس شخص کے حق میں فرض ہے جو اجتہاد کی صلاحیت
نہ رکھتا ہو۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک مکتوب میں حکومفتی محمد شفیع صاحب
مفتی اعظم پاکستان نے اپنی کتاب جو اہر الفقہ میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں :-
تو لکم تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعت سیئہ ہے۔ اول آپ کے نزدیک تقلید
شخصی مباح ہے۔ چنانچہ آپ اور پھر سوائے ہو مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے
کہ کیا ہے۔ سنو تو سہی منے تو منقول اور منقول دونوں کو دھو دیا ہے نفس تقلید
اعنی تقلید مطلق تو فرض لقولہ تعالیٰ "فاستلوا، الآیۃ اور حدیث انما شفاء العی
السوال۔ اور خود بدی بھی کہ دین بدون سیکھے نہیں آتا۔ عقل اور جس کو اس میں دخل
ہی نہیں۔ پس مطلق تقلید تو فرض ہے (یعنی جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو) یقین

ہے کہ آپ بھی قبول کر لیں گے در نہ اثبات اس کا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے دو فرد
ہوویں گے۔ تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی، کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں، خواہ
اس کو جنس اور دو نوع کہو یا مطلق اور دو فرد مقید کہو، خواہ کلی اور دو ہزنی کہو،
جس طرح چاہو مقرر کرو۔

بہر حال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہوویں گی جو فرض ہے۔ بھلا
آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مرد خدا! فرض
اور مباح تو مباح دو نوع ہیں کہ تحت جنس حکم کے ہیں، پھر ایک نوع مباح دوسری
نوع کی فرد کس طرح ہوگی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ
یہ فرد ہے تقلید فرض کی، پس تمام آپ کا خدشہ اس ہی خطا فہم پر مبنی ہے۔ پس
ہوش کرو کہ تقلید ہر دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں۔ مگر چونکہ امتثال امر تقلید میں
تخییر ہے کہ جس فرد کو چاہو ادا کر دو دوسرے کی ضرورت نہیں، اور جو دونوں کر ڈنگے
تو عاصی ہو گے۔ اس تخییر کو مباح کہنا یا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے۔ اگلی
ایسی مثال ہے کہ کفارہ میں حلف کے مثلاً نفس کفارہ فرض ہے اور اطعام اور کربوہ
اور رقبہ میں تخییر، جس کو ادا کر دیا مطلق کفارہ سے برأت ہوگئی اور جو کسی کو نہ کیا
عاصی رہا۔..... یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح
کہنا اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے۔ نہ مباح مقابل فرض کہ آپ نے
شبہ فرض ہو جانے مباح کا بے موقع کیا۔ در نہ اگر یہ شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ
کی تقریر سے غیر شخصی کو بدعت سیئہ کہہ دینگے۔ کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی
ہے وہ بھی تو مباح یہ ہمیں معنی ہے جو مذکور ہوا۔ طویل خط ہے اور قابل دید۔
اور حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبت نقل کیا ہے۔ تقلید کی بات

سنئے۔ لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق، مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری، انگریزی ایک ہے اور سائے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر قابل معالجہ ہے۔ اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطباء یا مخالف رائے ڈاکٹر ان جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے ہر بات میں اسی کا کہنا کیا جاتا ہے، دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سنی جاتی۔ ایسے ہی وقت اختلاف ائمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اسی کی تابعداری ضروری ہے۔ ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اول کیا جاتا ہے، ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لیا تھا، اور بعد تبدیل مذہب دوسرے ہی کا اتباع کیا۔ یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات ان کی لی اور تدبیر سے ایک لگائی مذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا۔ امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے۔ بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد ہی ہے۔ امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم، فقیہ اور محدث تھے۔ ترمذی شریف ان ہی کی تصنیف ہے، باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے۔ جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر مقلد ہی ہے۔ امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہو گا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو۔ اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید کی ہے تو کیا ہوا۔ اس اول تو کروڑوں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے۔ بن مائل

سے پوچھو گے یہی کہیگا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی۔ یا یہ سمجھو یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی جہاں ہم اختیار کریں۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کر رہے اور دوسرے طبیب سے نہیں پوچھتا یہ دیکھ کر یہ بھی ہی انداز اختیار کرے کہ اپنا علاج آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تو تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائے گی یا بے وقوف۔ سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجئے آج کل کے عالم یقین جاننے نکل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں۔ بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے زیادہ جاہل ہیں۔ دو کتا ہیں اردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے۔ کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے“ (جواہر الفقہ ص ۱۳۵)

مکاتیب شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ میں مولوی ابواللیث سابق امیر جماعت اسلامی ہند کے خطوط کے جواب میں ایک بہت طویل خط لکھا ہی اس میں جلد دوم ص ۴۱۶ پر تحریر فرمایا ہے:-

”مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بنا لوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زور دار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے اپنے رسالہ اشاعت السنہ جلد دوم ص ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں:

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے عملی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں

وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لائڈز جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و فحش تو آزادی کا ادنیٰ نتیجہ پر ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ سود و شرب کے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق و فحش سے بچتے ہیں، وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال، خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر دینداروں کے لیے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے

انتہی مختصراً

حضرت شیخ الاسلامؒ نے جو مولوی محمد حسین صاحب کا واقعہ لکھا ہے تو ان کے بڑے تجربات کے بعد کا ہے۔ سوانح قاسمی ص ۲۲ پر ان ہی کا ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت نانوتویؒ کو ایک خط لکھا کہ مجھے تنہائی میں آپ سے بعض مسائل میں گفتگو کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی شاگرد بھی وہاں موجود نہ ہو۔ حضرت نے منظور فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ تشریف لے آئیں چنانچہ مولانا موصوف حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے..... حجرہ بند کر دیا گیا دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ حضرت والا نے مولانا سے فرمایا کہ دیکھئے جس مسئلہ میں بھی گفتگو فرمائی ہو اُس میں دو باتوں کا خیال رکھیے۔ ایک یہ کہ مسئلہ زیر بحث میں حنفیہ کا مذہب بیان فرمانا آپ کا کام ہوگا اور دلائل بیان کرنا میرا

کام ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہؒ کا ہوں۔ اس لیے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ میں ان کا مقلد نہیں چنانچہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ بہت سے مختلف فیہ مسائل زیر گفتگو آئے اور حسب شرائط طے شدہ مولانا محمد حسین صاحب مذہب احناف بیان فرماتے اور حضرت والا و لائل سے اسے ثابت کرتے، حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب مجھوم مجھوم جاتے اور بعض اوقات توجوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب ہو جاتے۔ جب گفتگو ختم ہو چکی تو مولوی محمد حسین صاحب کی زبان سے بیانتہ یہ فقرہ نکلا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو! یعنی بایں زور علم فراست و قوت استنباط تقلید کے کیا معنی۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا "اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو" فقط مختصراً۔

میں نے یہ قصہ بعض اکابر سے بھی سنا۔ اس میں یہ سنا تھا کہ حضرت نانوتویؒ نے اخیر میں یہ فرمایا تھا کہ تقلید کے ضروری ہونے کیلئے آپ کے قول کے موافق جو میرے متعلق آپ نے فرمایا یہی کافی ہے کہ میں مقلد ہوں۔ میرے ایک فیتہ درس جو مظاہر علوم سے فارغ ہو کر مظاہر علوم کے کتب خانہ میں ملازم بھی ہو گئے تھے، مگر قلت تنخواہ کی وجہ سے اس زمانہ میں مظاہرین تنخواہیں بہت کم تھیں ترک ملازمت کر کے علی گڑھ میں جا کر ایک ڈاکٹر صاحب کے یہاں ملازم ہو گئے جو اہل حدیث تھے جانے کے تیسرے چوتھے دن اُن کا میرے پاس خط آیا جس میں اپنی راحت و آرام کی بہت تفصیل لکھی تھی کہ تنخواہ بھی بہت معقول ہے۔ ڈاکٹر صاحب

کھانا بھی اپنے ساتھ ہی کھلاتے ہیں اور بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ مگر میں یہاں آکر ایک سخت مشکل میں پھنس گیا۔ یہ کہ وہ رفع یدین بعد رکوع کے بعد اسی حال میں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں، انھیں تو اس کی عادت ہے، اور میں جب اس طرح سجدہ کرتا ہوں تو گر پڑتا ہوں اور جب میں ان کی کوتاہی ہوں کہ مولانا ندیم حسین صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب کے فتاویٰ میں رفع یدین کے بعد ہاتھوں کا گرانا لکھا ہے تو وہ بہت زور سے کہتے ہیں کہ ہم مولوی ندیم حسین اور مولوی ثناء اللہ کے مقلد تھوڑے ہی ہیں، اگر تقلید کرتے تو ابو حنیفہ کی کیوں نہ کرتے جو ان لوگوں سے علم میں عمل میں اور تقویٰ میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمیں تو کوئی حدیث دکھلاؤ، جتنا جلد رکوع کے بعد رفع یدین کے بعد ہاتھ گرنے کی کوئی حدیث لکھو، میں بہت پریشانی میں ہوں۔

اس زمانہ میں حدیث کا سبق میرے یہاں مستقل ہوتا تھا۔ اس وقت تو نہ وہ خط میرے سامنے ہے اور نہ پورا مضمون یاد ہے۔ اتنا یاد ہے کہ ابو حمید سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتیں متعدد میں نے نقل کی تھیں جس میں تومہ کے درمیان بخاری میں فاذا رفع رأسہ استوی حتی یعود کل فقار مکانہ ہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

تقلید امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہندو پاک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب زیادہ رائج ہے جس کی اہل وجہ تویہ ہے کہ ہندوستان کے اول فاتحین حنفی المذہب تھے ان کی وجہ سے یہاں اسلام کے ساتھ ساتھ مذہب حنفیہ بھی پہنچا۔

اس کے علاوہ حنفی مذہب کی وجہ ترجیح اور بھی بہت سی پیدا ہوئیں جن کو یہ ناکارہ اپنی کتاب اوجز المسائل کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ منجملہ ان کے حضرت امام اعظم کا زمانہ بقیہ ائمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے سب سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ میرے سابقہ مضمون میں جہاں ائمہ اربعہ اور محدثین کے زمانے لکھے گئے ہیں تفصیل سے گزر چکا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ہی کی صدی میں ہوئی۔ بخاری شریف میں ثلاثیات بخاری کو بہت اہمیت ہے مستقل کتابیں ثلاثیات کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ ثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں محدث اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں۔ ایک مصنف کا استاد، دوسرا تابعی تیسرا صحابی۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ حنفیہ کے قول کے موافق تو تابعی روایت بھی ہیں اور اس کے بعد ایک درجہ صحابہ کا رہ جاتا ہے والصحابة کلمہ عدول۔ اور جو لوگ امام ابو حنیفہ کو تبع تابعی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک فقہ حنفی ثنائی ہے۔ ایک صحابی و ہر کلمہ عدول دوسرا تابعی کہ امام ابو حنیفہ کے استاد تابعی ہیں اور ہر شخص اپنے استاد کے حال سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قضا

ہے۔ اس لئے حنفیہ کی روایات پر ضعف کا الزام لگانا فن سے ناواقفیت ہے۔ جن روایات میں تیسرے چوتھے درجہ میں کوئی راوی ضعیف آگیا ہو اس کا الزام حنفیہ کی روایات پر نہیں لگ سکتا۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ص ۱۳۹ میں فرمایا ہے کہ جو ائمہ ان کتب احادیث مدونہ سے پہلے تھے وہ سنت کو متاخرین سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لئے کہ بہت سی احادیث جو ان کو پہنچیں اور ان کے نزدیک صحیح تھیں وہ ہم تک بسا اوقات کسی مجہول کے واسطے سے یا سند منقطع سے پہنچی ہیں یا ہم تک پہنچی ہی نہیں، تو اس زمانہ میں ان کے سینے ہی ان کے علوم کے خزانے تھے جن میں کتب مدونہ سے بھی زیادہ احادیث تھیں۔

نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے بائیس احادیث ثلاثیات لکھی ہیں، ان میں سے بیس امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں سے ہیں۔ گیارہ حدیثیں مکی بن ابراہیم سے ہیں وہ امام ابو حنیفہؒ کے براہ راست شاگرد ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک حدیث حدیثنا ابو حنیفہ سے شروع کی، مجمع میں سے کسی نے کہا کہ ہمیں ابو حنیفہ کی حدیث مت سنائیے ابن جریر کی حدیث سنائیے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں جو قول کو حدیث نہیں سنانا اور تجھے حرام ہے کہ میری روایت سے کوئی حدیث لکھے۔ اس کے بعد سبق بند کر دیا جب تک کہ وہ شخص درس سے نہیں نکال دیا گیا۔ اور چوتھ حدیثیں ابو عامر لبیل ضحاک ابن خالد سے ہیں، یہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور تین حدیثیں محمد بن عبداللہ انصاری سے ہیں، یہ امام زفر کے شاگرد ہیں اور امام ابو یوسف کے بھی شاگرد ہیں۔ رہ گئے دو راوی، ان کا مجھے پتہ نہیں چلا

کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں یا نہیں۔ مقدر اوجز میں امام شعرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے جن روایات سے اپنے مذہب کیلئے استدلال کیا ہے وہ تابعین میں سے افضل تابعین سے لی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو متہم بالکذب تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے دلائل میں سے بعض چیزیں ضعیف بتائی جاتی ہیں تو یہ ضعف ان کے بعد کے راویوں میں پیدا ہوا۔ لہذا یہ ضعف ان روایات پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جن سے امام نے استدلال کیا ہے۔

اوجز میں بہت تفصیلی کلام امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اس میں نویں فائدہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی بنا را امور ذیل پر ہے۔ اس میں ابن حجر شافعی سے نقل کیا گیا ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ علماء کے اس قول کا جو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں ہے کہ وہ اصحاب الرائے ہیں کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ وہ اپنی رائے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر یا صحابہ کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے مختلف طرق سے یہ ثابت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اولاً قرآن کو لیتے ہیں، اگر قرآن میں نہ ملے تو سنت سے، اگر سنت میں بھی نہ ملے تو صحابہ کے قول سے۔ اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو ان میں سے اس قول کو اختیار کرتے ہیں جو اقرب الی القرآن و سنت ہو۔ اور صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جاتے اور اگر صحابہ میں سے کسی کا کوئی قول نہ ملے تو تابعین کے اقوال کو نہیں لیتے بلکہ خود اجتہاد فرماتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ

کہ خبر واحد اگر اصول مجمع علیہا کی مخالف ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کیے تو یہ اس کے نسخ کی دلیل ہے۔ اور اسی طرح عموم بلوی میں راوی کا منفر و ہونا۔ یا خبر واحد حدود کفارات میں وارد ہو کہ حدود شہر سے ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ کہ سلف نے اس روایت پر طعن کیا ہو۔ اسی طرح صحابہ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو مگر اس خبر واحد سے کہنے استدلال نہ کیا ہو یہ بھی نسخ کی دلیل ہے۔ اسی طرح خبر واحد عموم قرآن کے ظاہر کے خلاف ہو۔ کیونکہ قرآن قطعی ہے اور خبر واحد ظنی۔ اور اقوی الدلیلین کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح خبر واحد کا سنت مشہورہ کے خلاف ہونا۔

ان قواعد سے امام ابو حنیفہ کی برادرت ظاہر ہو گئی جو ان کی طرف ان کے اعداء اور ان لوگوں نے جو ان کے قواعد سے بلکہ مواقع اجتہاد ہی سے سرے سے ناواقف ہیں منسوب کر دیئے ہیں کہ امام صاحب نے خبر واحد کو بغیر دلیل کے چھوڑا ہے اور یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب نے کسی حدیث کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس سے اقوی دلیل ان کے پاس نہ ہو۔ علامہ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ تمام حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے یہاں رائے سے مقدم ہے۔

علامہ شعرانی نے نقل کیا ہے کہ شقیق بلخی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں سے زیادہ متقی تھے اور سب سے زیادہ عالم تھے اور سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور سب سے زیادہ دین کے معاملہ میں محتاط تھے۔ اور سب سے زیادہ اس بات سے دور تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہیں اور کوئی مسئلہ اس وقت تک نقل نہیں کرتے تھے جب تک اپنے اصحاب کو اکٹھے کر کے ایک مجلس نہ قائم کرتے اور جب اصحاب اس پر متفق ہو جاتے کہ یہ

علیہ وسلم کی حدیث پہنچے تو سر آنکھوں پر۔ اور اگر صحابہ کے اقوال ملیں گے تو ان میں سے چن لیں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور اگر تابعین کے اقوال ہوں تو مقابلہ کریں گے۔ اور امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رائے سے فتویٰ دیا، حالانکہ میں تو اثر ہی سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ احادیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ صحابہ کے کسی مسئلہ پر اجماع کے ہوتے ہوئے اپنی رائے سے کچھ کہے۔ البتہ جن میں صحابہ کا اختلاف ہو گیا اس میں سے ہم اقرب الی الکتاب السنۃ کو لیں گے۔

ایک شخص نے امام صاحب سے کہا کہ قیاس کو چھوڑو۔ سب سے پہلے اہلبیس نے قیاس کیا۔ تو امام صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ او فلا نے تو نے بے موقع استدلال کیا۔ اہلبیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رو کیا جسکی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے اتباع میں ہے اس واسطے کہ ہم اپنے قیاس کو اللہ کے کلام اور اس کے رسول کی سنت اور صحابہ و تابعین کے اقوال کی طرف ٹوٹتے ہیں۔ تو ہم تو اتباع ہی کے گرد پھرتے ہیں پھر اہلبیس ملعون کے کیسے مساوی ہو گئے؟ اس پر اس شخص نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی میں توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو منور کرے جیسا کہ آپ نے میرے قلب کو منور کر دیا۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ حنفیہ پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ احادیث صحیحہ صحیحہ کی مخالفت کرتے ہیں بغیر دلیل کے، تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ معتز ضیعی نے ان کے قواعد اور اصول کا گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ اس پر مفصل کلام کیا ہے جو اوجز کے مقدمہ میں ہے۔ انھوں نے یہ کہا کہ مجملہ ان کے اصولوں کے یہ ہے

مسئلہ اصول و قواعد کے مطابق ہے تو امام ابو یوسفؒ وغیرہ سے فرماتے کہ اس کو
 فاں باب میں لکھ لو۔ اوجز میں یہ مضمون مفصل گزرا ہے کہ امام صاحب کے پاس
 کوئی مسئلہ آتا تو اہل مجلس سے پوچھتے کہ اس مسئلہ کے بارے میں تمہارے پاس کیا
 روایتیں ہیں؟ تو جب وہ سب اپنی روایات بیان کرتے اور امام صاحب اپنی
 روایت ذکر کرتے تو جس طرف روایات کثرت سے ہوتیں اس کو اختیار فرماتے۔
 مقدمہ اوجز میں امام ابو حنیفہؒ پر اعتراضات کے متعلق طویل کلام کیا گیا
 ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ اصول کہ خبر واحد ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو، سنت مشہورہ
 کے خلاف نہ ہو۔ یہ دراصل حضرت عمرؓ کا قول فاطمہ بنت قیسؓ کے طلاق کے قصہ
 میں ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ انکو
 ان کے شوہر نے طلاق دیدی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے نہ نفقہ
 واجب کیا نہ سکنی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو
 ایک عورت کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں کہ اس کو یاد ہے یا
 بھول گئی، بعض روایات میں ہے کہ شاید اس کو وہم ہو گیا ہو۔ (بذل ص ۳۲)

اذا صح الحدیث فهو مذہبی

یہ ائمہ اربعہ کا مشہور مقبول ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن
 حافظ نے فتح الباری میں باب رفع الیدین اذا قام من الرکتین میں اس پر طویل
 بحث کرتے ہوئے ابن دین العید کا قول نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے اصول کا تقاضا
 تو یہ ہے کہ اس میں رفع یدین مستحب ہو..... باقی یہ بات کہ امام شافعیؒ کا مذہب

عہ یعنی قعدہ اولی سے اٹھنے کے وقت ۱۲۔

ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اذا صح الحدیث فهو مذہبی
 کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، تو اس میں اشکال ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وجہ اشکال یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے اس مقولہ پر
 عمل اس وقت ہوگا جب یہ محقق ہو جائے کہ امام شافعیؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی لیکن
 جب یہ معلوم ہو جائے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا یا اس
 میں کوئی تاویل کی تو اس وقت اس پر عمل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ کا کلام صحیح ہے۔
 حضرت امام مالکؒ نے نوٹا میں ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تھے تو رفع یدین کرتے تھے۔ اور مدونہ میں امام مالکؒ
 کا مقولہ مشہور ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ضعیف
 ہے۔ نیز امام مالکؒ کا مقولہ ہے کہ میں رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ اٹھنے
 بیٹھنے میں نہیں پاتا، اوجز میں یہ طویل بحث کی گئی ہے۔

بذل ص ۱۳ میں "باب السارق یسرق مرارا" میں متعدد روایات چور کو
 قتل کرنے کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد شیخ ابن قیم سے نقل کیا گیا ہے
 کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس حدیث کو کیوں چھوڑا تو انہوں نے فرمایا کہ
 حضرت عثمانؓ کی حدیث کی بنا پر کہ مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوہ سے جائز ہے
 اس میں چوری نہیں ہے۔ بذل میں اس پر طویل کلام ہے۔ مجھے تو صرف یہ ذکر کرنا
 ہے کہ قتل سارق کی روایات امام احمدؒ کے پاس پہنچیں مگر انہوں نے اس پر عمل
 نہیں کیا۔ پانی کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کا مذہب قلتین کا ہے مگر بئر
 بضاعہ کی حدیث کو امام احمدؒ نے صحیح بتایا ہے۔ جیسا کہ معنی ص ۲۵ میں ہے لہذا
 حافظ کا یہ کہنا صحیح ہو گیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے بھی اپنے رسالہ رفع الملام میں کسی امام کے کسی حدیث کو چھوڑنے کی دشن وجوہ لکھی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ کہ امام کو حدیث پہنچی مگر ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی، یا یہ کہ انہوں نے خبر واحد کیلئے کچھ شرط مقرر کیں جو اس حدیث میں نہیں پائی گئیں۔ نیز یہ کہ حدیث تو پہنچی مگر اس کے نزدیک دوسری حدیث اس کے معارض تھی جس وجہ سے اس حدیث کی تاویل وغیرہ کرنی لازم ہوئی۔ دشن وجوہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ وجوہ تو ظاہر ہیں، اور بہت سی احادیث میں ممکن ہے کہ عالم کے نزدیک کوئی اور ایسی وجہ ہو جس کا ہمیں پتہ نہ چلا ہو اس لئے کہ علم کی گہرائیاں بہت کشادہ ہیں اور ہم نہیں واقف ہو سکتے بہت سے ان رموز پر جو علماء کے سینہ میں پوشیدہ ہیں، اور عالم کبھی اپنی دلیل کو ظاہر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ اور جب ظاہر کرتا ہے تو کبھی ہم تک وہ پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی۔ اور اگر پہنچتی بھی ہے تو اس کے وجہ استدلال کو کبھی ہم ادراک کر پاتے ہیں اور کبھی نہیں کر پاتے وہ دلیل فی نفسہ خواہ صواب ہو خواہ خطا۔ اور یہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جو حدیث میں ممارست رکھتا ہو کہ ائمہ اربعہ کے پاس بہت سی ایسی صحیح و صریح حدیثیں پہنچیں لیکن بعض دلائل قویہ کی وجہ سے انہوں نے ان کو نہیں لیا۔ خود رفع یدین ہی میں بہت سی صحیح روایتیں ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ان کو نہیں لیا ہے نہ اکثر اہل حدیث نے۔ جس کی تفصیلی بحث اوجہ میں ہے۔

تنبیہ: ایک نہایت ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ کسی مقلد کو اپنے امام کے خلاف دوسرے محدثین کے اقوال پر یا محدثین پر لب کشائی نہیں بلکہ دل میں بھی کوئی بے ادبی کا خیال نہیں گذرنا چاہئے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے مستقل رسالہ رفع الملام عن الأئمة الاعلام تصنیف فرمایا ہے، جو بہت اہم

اور قابل دید ہے۔ یہ رسالہ مستقلاً بھی شائع ہو چکا اور فتاویٰ ابن تیمیہ کا جزء بھی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی موالات کے بعد مومنین کی موالات کریں جیسا کہ قرآنی حکم ہے بنصوصاً علماء کی.... جو انبیاء کے وارث ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ ستاروں کے بنایا ہے جن سے ہر بوجہ کی اندھیروں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور مسلمانوں نے ان کی ہدایت اور ان کی سمجھداری پر اجماع کیا ہے۔

مسلمانوں کے علماء ان میں سے سب سے افضل ہیں اس لئے کہ وہ خلفاء، رسول ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان سے زندہ ہے اور وہ اس سے زندہ ہیں۔ اور یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ ائمہ مقبولین عند اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو دیدہ و دانستہ احادیث کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع واجب ہے اور ہر آدمی کے قول میں سے لیا جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور اگر ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول حدیث صحیح کے خلاف ہو تو ضرور کوئی عذر اسکے پاس اس حدیث کو چھوڑنے میں ہوگا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے تفصیل سے اس ترک حدیث کے دشن اسباب لکھے ہیں، اور اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ تو اعذار ظاہرہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں جو ہم تک نہیں پہنچی ہیں۔ اس رسالہ میں خاص طور سے ائمہ متبوعین پر طعن کرنے والوں پر رد کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں اگر خطا کرے تو بھی اُس کو ایک اجر ملتا ہے اور خطا معاف ہے، اور اگر

اس کا اجتہاد و صواب ہو تو دوسرا اجر ہے۔ لیکن اگر اہل علم میں سے نہ ہو اور پھر بھی اجتہاد کرے تو اُس کو گناہ ہوگا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے بارے میں جس کا سر زخمی ہو گیا تھا اور بعض لوگوں نے تیمم کے بجائے غسل کا مشورہ دیا اور غسل کرنے کی وجہ سے اُن کا انتقال ہو گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان ہی لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی موت دے۔

نیز فتاویٰ ابن تیمیہ میں ایک مستقل مضمون اس سوال کے جواب میں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ انھل الاولیاء ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ انھل اللہ ہیں، بھی قابل مطالعہ ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جن کے نزدیک امام شافعیؒ کی تقلید راجح ہے وہ اس پر نکیہ نہیں کر سکتا جس کے نزدیک امام مالکؒ کی تقلید راجح ہے۔ اسی طرح جس کے نزدیک امام احمدؒ کی تقلید راجح ہے اُس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس پر نکیہ کرے جو امام شافعیؒ کا مقلد ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ جب کوئی شخص تقلید کرے تو اس کا اہتمام کرے کہ جس امام کا قول اس کے نزدیک ادنیٰ بالحق ہو اس کی تقلید کرے اور اگر خود مجتہد ہے تو اجتہاد کرے اور جو اس کے اجتہاد میں حق ہو اس کا اتباع کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ خواہشات نفس کا اتباع نہ کرے اور بغیر علم کے کلام نہ کرے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ یا دوسرے ائمہ عمدہ حدیث صحیح کی مخالفت قیاس سے کرتے ہیں اس نے ان ائمہ پر زیادتی کی اور یہ اس کا محض گمان ہے یا ہوائے نفس ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ہی کو لے لیجئے کہ انہوں نے بہت سی احادیث کی وجہ سے قیاس کی

مخالفت کی، اور اس کے بعد چند مثالیں لکھی ہیں۔ بس کی وجہ سے انہوں نے ان احادیث کی وجہ سے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں قیاس کو چھوڑ دیا۔

تذکرۃ الرشید میں حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تدریس حدیث کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حنفی مذہب سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر اطمینان ہے اس کے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحب مذہب کی اہانت ہو، اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو تو لاؤ و عملاً اس کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ شنس تقلید میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ بعض طلباء تشدد و عصبیت میں محدثین سے بدظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانیؒ فرماتے تھے کہ پھیرتے اور کلام کا دھنگ بدل دیا کرتے تھے جس وقت کسی طالب علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شاک کا کلمہ سننے تو چہرے پر کراہیت کا اثر پیدا ہوتا اور دوران سبق میں بجائے ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر مثل امام بخاریؒ وغیرہ کی وجہ ترجیح بھی بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلباء کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے (تذکرۃ الرشید ص ۹۱)

آپ بیتی ص ۲۱۲ میں حضرت حکیم الامت کے اضافات یومیہ ۹ ص ۲۳۹ سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت گنگوہیؒ کی ایک تقریر سُن کر جوش میں آکر کہا کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث صحیح بخاریؒ ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرمادیتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا، اگر حضرت امام شافعیؒ زندہ ہوتے تو کیا میں اُن کے

سامنے بولتا، اور بولتا تو کیا میں تو اُن کی تقلید کرتا اور امام ابو حنیفہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہدِ حجازی کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہدِ غیر حجازی کی تقلید کی جائے۔ لفظ اس ناکارہ کو اس جواب میں اتنا لفظ اور بھی اکابر سے سنا ہوا یاد ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہوتے ہوتے میری یہ تقریر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا اور حضرت امامؒ اس کا جواب دیتے۔

اس ناکارہ کے زمانہ تدریس مظاہر علوم میں عموماً بدھ کے دن اسباق کی بسم اللہ ہوا کرتی تھی اور یہ ناکارہ بدھ کو بسم اللہ شروع کر کے اگلے بدھ تک مقدمتہ اعلیٰ مقدمتہ الکتاب اور متفرقات کے بعد آخری بحث آداب طالب بیان کیا کرتا تھا جس میں دس باتیں بہت اہمیت سے بیان کرتا۔ اس وقت میں جوانی تھی اور الشباب شعبۃ من الجنون قوت بھی تھی، بہت بھی تھی، شروع سال میں یہ دس چیزیں طلباء کے سامنے بہت اہمیت سے بیان کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی پر بجائے زبان کے چپکے سے اُٹھ کر ایک تھپڑ مار کر آیا کرتا تھا۔ جو طلباء شروع سے سبق میں ہوتے انہیں تو معلوم تھا کہ یہ کاہے پر ہوا، لیکن جو ہمان باہر سے آتے، یا دوسرے مدارس کے طلباء جو اکثر سبق میں آتے رہتے تھے یہ منظر دیکھ کر کہ ایک تھپڑ ایک طالب علم کو مارا اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا، نہ کچھ کہنا نہ سننا، حیرت میں پڑ جاتے اور بعد میں طلباء سے پوچھتے کہ یہ کیا ہوا وہ کہتے سبق میں سو گیا ہو گا یا کتاب پر کھنی رکھی ہو گی۔ ان میں سے۔

(۱) اخلاص نیت (۲) درس کی پابندی۔ میرے اس زمانہ کے جسٹریس کمی کمی سال تک کسی طالب علم کے نام کے سامنے غین نہیں ملے گا۔ (۳) صف بندی ہے یعنی طلباء سبق میں صف بنا کر بائیں بیٹھیں۔ (۴) درس میں نہ سونا (۵) کتاب پر ٹیک نہ لگائے۔ (۶) پابندی درس کوئی حدیث استاد کے سامنے نہ چھوٹے۔ میرے

یہاں غیر جانبداری کرنا سنگین جرم تھا۔ (۷) میرا یہ بھی معمول تھا کہ حدیث میں کتاب الحدود وغیرہ میں جو محض اور گالی کے الفاظ آجائیں تو میں اُن کا اردو میں ٹھیک الفاظ میں ترجمہ کرتا۔ مگر شرط یہ تھی کہ اس پر کوئی طالب علم ہنسنے نہیں۔ اس کو میں اور وضاحت سے کہتا۔ اس لئے کہ میرے ذہن میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جیسا اردو میں ان کا ترجمہ ہے ویسے ہی عربی میں اُن کے الفاظ ہیں پھر میں اپنی ناپاک اور گندی زبان کو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے اونچا سمجھوں کہ ان کو تو اس لفظ کے بولنے سے تردد نہ ہوا اور میں اُس کو گالی سمجھ کر اردو میں اس کا ترجمہ بھی نہ کروں۔ مثلاً جب حدیث پاک میں انکھتا یا مصص بظلم اللات جیسے الفاظ آتے تو میں اپنے سبق میں ان کا ترجمہ الفاظ میں ترجمہ کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طلباء پر پابندی یہ تھی کہ ہنسی نہ لگے۔ (۸) ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب احترام کا معاملہ کیا جائے اور ان پر اعتراض نہ کرنا کیا جائے اور ان کی شان میں کوئی گستاخی کا لفظ نہ نکالے بلکہ دل میں بھی گستاخی کا خیال پیدا نہ ہو۔ بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بے وقوف ائمہ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں مجھے بہت ناگوار ہوتا تھا۔ (۹) اساتذہ کا ادب ظاہری ہی نہیں بلکہ قلبی بھی کرے ورنہ علم سے محرومی کا سبب ہے۔ ایسے ہی کتب حدیث کا بھی ادب کرے۔

(۱۰) ائمہ حدیث پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

یہ میں نے مختصراً گنوائے ہیں۔ عزیز شاہد سلمہ نے میری تقریر بخاری شائع کی ہے، اس میں کسی قدر تفصیل ان کی ذکر کر کے اور آپ بتی نے میں بھی اس سے زیادہ تفصیل سے ذکر کر کے گئے ہیں۔ انہیں نمبروں میں ایک نمبر وضع قطع سے متعلق

بھی ہو کر آتا تھا، چنانچہ ڈاڑھی کے مسئلہ پر بھی میں اپنے اس مضمون میں بڑا زور دیا کرتا تھا۔ مقطوع اللحمیہ میرے حدیث کے سبق میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مولوی صاحب تھے جو حدیث کی سب کتابوں میں داخل تھے مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ مدرسین حضرات کو اس کی طرف التفات نہ ہوا مگر میں نے کہہ دیا کہ ابوداؤد کے سبق سے آپ کا نام کاٹ دیا۔ مگر وہ سبق میں آتے رہتے۔ سہ ماہی کے امتحان میں سب مدرسین کے یہاں اُن کا نام تھا۔ مگر ابوداؤد میں نہیں تھا۔ مہتمم صاحب کو خیال ہوا کہ شاید سہو سے رہ گیا، اُسی وقت مجھ سے دریافت کیا گیا۔ میں بھی امتحان گاہ میں موجود تھا، میں نے کہہ دیا کہ غلطی سے نہیں رہ گیا بلکہ اُنکی ڈاڑھی کٹی ہوئی تھی اس لئے میں نے نام کاٹ دیا۔ اگرچہ مدرسہ کا قانون یہ تھا کہ مدرس نام نہیں کاٹ سکتا تھا مہتمم صاحب نام کاٹ سکتے تھے۔ مگر میرے اکابر کی شفقتوں نے مجھے ایسا آزاد کر رکھا تھا کہ میں غیر حاضری وغیرہ پر اپنے رجسٹر سے نام کاٹ کر طالب علم سے کہہ دیا کرتا تھا کہ میں نے تمہارا نام کاٹ دیا، تم مہتمم صاحب سے جا کر شکایت کرو میں اُن سے نمٹ لوں گا۔ میرے اکابر کی محبت نے مجھے گستاخ بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بلند درجے عطا فرمائے اور میری تقصیرات کو معاف کرے۔

ایک یا دو برس کے بعد ان کا خط آیا کہ میں تم سے بیعت ہونا چاہتا ہوں میں نے لکھا کہ تم میری بدخلقی کو بھگت چکے ہو، میرے تشدد کو دیکھ چکے ہو میرے اکابر حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت رائے پوری کے خلفاء مجھ سے بہتر اذبا اخلاق ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اس کے بعد پھر ان کا خط آیا کہ میرے جیسے سخن کی اصلاح تم سے ہی ہو سکتی ہے۔

یہ تو آپ بیٹی بن گئی بمقصود تو اس چیز کو ذکر کرنا تھا کہ اس ناکارہ کے حدیث کے اسباق میں ہمیشہ زور اس بات پر رہتا تھا کہ ائمہ اربعہ یا ائمہ حدیث میں سے یا اساتذہ کرام میں سے کسی کی اہانت سنگین جرم ہے۔

طریقت

ما قبل میں گذر چکا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا تَنْتَظَرُ اَلَا (الحديث) اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اسکو دیکھ رہے ہو۔

طریقت دراصل اس "احسان" ہی کا ایک نام ہے یا تحصیل صفت احسان کا طریقہ ہے۔ اسی کو تصوف اور..... سلوک کہتے ہیں، یا جو چاہے نام رکھ دیا جائے۔ یہ سب تعبیرات ہیں۔

میرے دادا مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی نے حضرت قطب الارشاد گنگوہی سے عرض کیا کہ مجھے تنہائی میں کچھ کہنا ہے، اور تنہائی میں تشریف لیجا کر یہ عرض کیا کہ میں بیعت تو ہوں مولانا محمد یعقوب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی مولوی مظفر حسین کاندھلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی، اور انکی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھر کی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدا سے اتباع سنت کا شوق تھا اور جو اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ۔ اور بازار میں جاتے وقت یہ، الی غیر ذلک۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا رہا ہوں۔ اس لئے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم و سچی تھی، کبھی دن دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور

اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرماویں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستان بوستان پڑھ لینے کے بعد کریم شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضييع اوقات ہے۔ اس لئے آپ کیلئے اشغال مشائخ میں اشغال تضييع اوقات اور محصیت ہے۔ (ادراج تلذذ حکایت ۲۹۹)

میں نے یہ قصہ اپنے اکابر سے بھی سنا اور ان میں حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمادے: یہ سنا تھا کہ جیسا حافظ قرآن یوں کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا وہ بھی مجھے پڑھا دیکھے۔ حضرت قطب الارشاد قدس سرہ کا دوسری جگہ ارشاد ہے، فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا، جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم پانچاں پیشاب کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے اذکار کریں۔ یہ انتہا ہے، اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفيض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تھی اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم تھی لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور اس کمی کی تلافی کیلئے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجا کئے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے مگر جوں جوں خیر القرون کو آئے۔ بنا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقت فوتشان میں اضافہ بھی ہوتا رہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بے حد بدعات

رضی اللہ عنہما قال اناس كانوا يستحيون ان يتخلوا
فيفضوا الى السماء وان يجامعوا نساءهم فيفضوا
الى السماء فنزل ذلك (ای قولہ تعالیٰ الا انہم
یثنون صدورہم.... الایۃ) فیہم قولہ۔ صوفیاء نے
بجائے اس کے الخ اقول وہی صوفیائے غیر محققین مراد ہیں۔

(ارواح ثلاثہ حکایت ۱۹۷)

میں شروع میں بھی لکھوا چکا ہوں کہ میرے اکابر کے یہاں تصوف اور احسان
ایک ہی چیز ہے جو شریعتِ مطہرہ کا جزو ہے۔ میرے اکابر کی تالیفات اس سے لبریز ہیں
حضرت مجدد صاحبؒ نے بہت زیادہ اپنے مکاتیب میں اس پر زور دیا ہے۔ میں نے
بھی حضرت مجدد صاحبؒ کے تین مکتوب شائع کئے ہیں ان میں پہلا مکتوب صاحبزادگان
یعنی اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے لڑکوں کے نام ہے جو بہت طویل
اور بہت اہم ہے، دیکھنے کے قابل ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

”حصول تصفیہ و تزکیہ ان اعمال صالحہ کے انجام دینے سے

متعلق ہے جو مریضیات مری ہوں اور یہ بات بھی موقوف ہے بعثت

انبیاء پر۔ پس بغیر بعثت حصول حقیقت تصفیہ و تزکیہ بھی میسر نہیں

اور جو صفائی کفار و اہل فسق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ (در حقیقت)

صفائے نفس ہے نہ کہ صفائے قلب۔ صفائے نفس سے سوائے گمراہی

اور خسارہ کے کسی اور بات کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی، صفائے نفس

کی حالت میں جو بعض امور غیبیہ کا کشف کفار و اہل فسق کو ہو جاتا

ہے وہ استدراج ہے“

۷۔ تین مکتوب، کتابت اشاعت العلوم و کتب خانہ بخاری سے فراہم ہو سکتے ہیں۔ ناشر

علمی و عملی و اعتقادی داخل ہو گئیں محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاح
بھی کی مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہو گئی لیکن بالکل
ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصاحبین میں شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ شہاب الدین
سہروردی اور مجدد الف ثانی اور سید احمد صاحب (شہید بریلوی) قدس اللہ
اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی
ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر
طریقِ سنت منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریقِ سنت میں یہ بڑی برکت ہے
کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات
ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز
باجماعت وغیرہ۔ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرض واجباً
دشمنِ مؤکدہ کا پورا اہتمام کرے تو نہ خود اس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل و
بزرگ ہو گیا اور نہ دوسرے اسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان امور
کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا
مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ او این وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ میں
بزرگ ہو گیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہو گیا۔

اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ شائع علیہ السلام نے
احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیاء نے بجائے اس کے استغراق کو مقصود
بنالیا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے حاشیہ پر تحریر فرمایا، قولہ صحابہؓ
نے عرض کیا:

اقول روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس

اس کے بعد عقائد پر زور دینے کے بعد تحریر فرمایا ہے :

” بعد از تصیح عقائد احکام فقہ کے سیکھے بغیر پارہ نہیں ہے اور فرض وہ واجب، حلال حرام، سنت، مندوب، مشتبہ اور مکروہ کا جاننا بھی ضروری ہے اور ایسے ہی علم فقہ کے مقتضی کے مطابق عمل کرنا بھی لازم ہے۔ بعد حاصل کرنے اعتقاد و عمل کے دو بازوؤں کے اگر توفیق ایزوی رہنمائی فرمائے تو طریقہ صوفیاء کا سلوک ہے۔ یہ سلوک اس لئے نہیں کہ اس اعتقاد و عمل سے زاید یا نئی کوئی شئی حاصل کریں، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ عقائد کے بارے میں ایسا یقین و اطمینان حاصل کریں کہ وہ یقین و اطمینان کسی شک ڈالنے والے کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہو سکے اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ نیز سلوک سے یہ فائدہ بھی ہے کہ اعمال کیلئے سہولت حاصل کریں اور سستی اور سرکشی جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے زائل کریں۔ طریقہ صوفیاء پر چلنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور انوارِ الوان کا معائنہ کریں، یہ تو خود داخلِ لہو و لعل ہیں۔ جیسی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات و مجاہدات کر کے تمنائے صورتوں اور غیبی کرے، اس لئے کہ یہ حسی صورتیں اور وہ غیبی صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں“ فقط

یہ ناکارہ شروع میں لکھنا چاہئے کہ حضرت بیریہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی تھی اُس میں پہلی چیز ایمان ہے یعنی اعتقادات اور دوسرا امر اسلام تھا یعنی اعمال شرعیہ، اور تیسرا احسان تھا یعنی سلوک۔ یہی ترتیب حضرت مجددِ صاحب کے اس مکتوب میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔

ایک اور مکتوب ۳۶ اس بیان میں ہے کہ ”شریعت تمام ساداتِ دنیویہ و اُخرویہ کی کفیل ہے اور طریقت و حقیقت خادمانِ شریعت ہیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تین جزو محقق نہ ہوں، شریعت محقق نہیں ہوگی۔ شریعت محقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری ہیں۔ تمام ساداتِ دنیویہ و اُخرویہ سے بلند و بالا سے وِ رَضْوَانِ مِنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ پس شریعت ہی تمام ساداتِ دارین کی ضامن ہے۔ اب کوئی مقصد نہ رہا کہ اس مقصد کیلئے شریعت کے علاوہ کسی امر کی انتیاج ہو۔ طریقت و حقیقت جن کے ساتھ صوفیہ متاثر ہیں دونوں شریعت کے جزو سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تکمیل سے غرض تکمیلِ شریعت ہی ہے نہ کہ کوئی اور امر علاوہ شریعت کے اموال و مواجید علوم و معارف جو صوفیہ کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی سی ہے جن سے اطفالِ طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے لگے بڑھ کر مقامِ رُضَا تک پہنچنا چاہیے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں مقاماتِ جذبِ سلوک کی انتہا ہے اس لئے کہ منازلِ طریقت و حقیقت کو طے کرنے سے مقصود سوائے تحصیلِ اخلاص کے اور کچھ نہیں اور اخلاص رضائے باری تعالیٰ کو مستلزم ہے۔ تجلیات و مشاہدات

عارفانہ سے گزار کر دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک ہزار میں سے کسی ایک کو پہنچایا جاتا ہے۔ کوتاہ نظر لوگ احوال و مواجید کو مقاصد میں اور مشاہداتِ تجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے زندانِ وہم و خیال میں گرفتار اور کمالاتِ شریعت سے محروم رہتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حصولِ مقامِ اخلاص اور حصولِ بمرتبہ رضا ان احوال و مواجید اور علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے لہذا یہ احوال و مواجید مقدماتِ مقصود ہیں نہ کہ مقصود۔ مجھے یقینیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کامل دن سال کے بعد اس راہ میں چل کر واضح ہوئی ہے اور شاہدِ شریعت کما حقہ جلوہ گر ہوا ہے ہر چند کہ میں شروع سے بھی احوال و مواجید میں گرفتار نہ تھا اور حقیقتِ شریعت کے تحقق کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیش نظر نہ تھا لیکن بعد عشرہ کاملہ پورے دن سال کے بعد حقیقتِ امر پورے طریقہ پر ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ (تجلیاتِ ربانی ص ۱۰)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ناکارہ نے مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس الاصرار کے حقیقتِ تصوف سے متعلق سوال پر ان سے بھی ہی عرض کیا تھا کہ تصوف تصحیح نیت کا نام ہے جیسا کہ آپ بیٹی ما کے شروع میں مفصل گزر چکا ہے۔ آپ بیٹی میں اور بھی بہت سے واقعات اس مضمون کے گز سے ہیں..... حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکاتیب میں بھی اس پر بہت زور ہے مکتوب ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں :

”کمالات و ولایت صورتِ شریعت کا نتیجہ ہیں اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کا ثمرہ، پس کمالات و ولایت اور کمالات

نبوت میں سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو دائرہ شریعت سے باہر اور شریعت سے مستغنی ہو۔ فقط دوسرے مکتوب ۱۱ میں لکھتے ہیں :-

”تصحیح عقائد کے بعد علمائے اہل سنت و الجماعت کی صاحبِ رائے (جو کہ کتابِ سنت سے ماخوذ ہے) کی موافقت بے حد ضروری ہے، نیز ادائے فرض و واجبات اور اجتناب از محرمات کے بغیر کام نہیں چل سکتا..... مسلمانی کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (جو حدیثِ جبرئیلؑ میں ایمان کی شرح میں گزر چکی) اگر ان پانچ چیزوں میں سے ایک بھی نہ ہوگی تو خانہ دین ویران اور ناتمام ہے گا۔ بعد تصحیح عقائد و اعمالِ صوریہ۔ سلوکِ طریقہ تصوفیہ بھی ضروری ہے تاکہ معرفتِ حق حاصل ہو جائے اور خواہشاتِ نفسانی کی آویزش سے نجات ملے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بند اپنے ولی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی معرفت سے خالی ہے اور اس کو نہیں پہچانتا وہ کیسے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کس طرح دوسری چیزوں سے مانوس ہے۔“

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”براہِ رم ملا حسن علی نے میرے ایک مکتوبِ نامِ عبید اللہ بیگ پر ایک شبہ تحریر کیا ہے اور اس کا جواب مانگا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ حسن و قبح کا امتیاز مقامِ شریعت میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ طریقت میں سب صلح اور ہر کسی سے

دوستی ہوتی ہے بخلاف شریعت کے کہ وہاں دشمنوں سے جنگ اور دوستوں سے صلح ہوتی ہے الخ عجیب و اہیات شبہ پہ بھلا طریقت کا شریعت سے کیا تقابل ہے اور ان دونوں میں مساوات کہاں سے آئی، شریعت تو ایسی قطعی وحی سے ثابت ہوئی ہے جس میں شک و شبہ کو بالکل گنجائش نہیں، اس کے احکام میں فرخ و تبدیلی نہیں، تا قیام قیامت یہ احکام باقی رہیں گے۔ شریعت کے تقاضا پر عمل کرنا تمام عوام و خواص کیلئے ضروری و لا بدی ہے۔ طریقت کی مجال نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو اٹھائے اور اہل طریقت کو تکالیف شرعیہ سے آزاد کرے۔ اہل سنت و الجماعت کے عقائد قطعاً میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ بندہ بحالت ہوش و حواس ہرگز ایسے درجہ پر نہیں پہنچتا کہ تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ جرگہ اسلام سے باہر ہے جس جماعت کو اللہ تعالیٰ اپنا دشمن قرار دے اور غلظت و شدت کا حکم دے اس سے آشتی اور دوستی رکھنا قاعدہ اسلام سے خارج ہے، یہ بات اور دعوائے محبت خدا و رسول و دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے بیزاری لوازم محبت سے ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض سالکین پر کچھ ایسے امور جو بظاہر مخالف کتاب سنت ہوتے ہیں وارد ہو جاتے ہیں۔ سالک ایسے وقت میں سررشتہ شریعت کو ہاتھ سے نہ دے۔

دانتوں سے مضبوط پکڑ لے اور اپنے کشف و وجدان کے برخلاف اہل سنت و جماعت کی تقلید کرتے ہوئے ان کا اعتقاد و عمل اختیار کرے۔ بعض اوقات راہ سلوک کے خس و خاشاک اتنی آنا اللہ کا نعرہ لگا کر سالک بیچارہ کہ مطالب اعلیٰ سے ہٹا کر اپنی پستش کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ایسے وقت میں سالک مستقیم کو ضرورت ہے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح لَا أُحِبُّ الْاُولَیٰئِنَا کہہ کر وَجْهَتُ وَّجْهَتِ اللّٰہِ کے بموجب میدان غیب الغیب میں دوڑ لگائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری متابعت کرے تاکہ زینع البصر میں گرفتار نہ ہو۔“

(مکتوب خواجہ محمد مصوم ص ۷۲ ص ۱۲۱)

حضرت خواجہ صاحب نے اس مکتوب میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے آپ ہی ۱۹۷۵ء میں بروایت حضرت نانوتوی ارواح ثلاثہ سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ خواجہ احمد جام متجانب الدعوات مشہور تھے۔ ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچہ کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اس لئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر پھر آپ نے وہی جواب دیا۔ غرض کہ تین چار مرتبہ یہی رد و بدل ہوئی۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، وہ اندھوں اور مبرصوں کو اچھا کرتے تھے، میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر چلے تھے کہ الہام ہوا کہ یہ کتاب جو بزرگان دین علماء و مشائخ ہندوپاک کی حکایات پر مشتمل ہے، ہمارے کتب خانہ سے طلب کیجئے، نامہ

تو کون، جیسی کون اور میسلی کون، پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر، نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ، ماما کنیم (ہم کرتے ہیں) آپ یہ سن کر لوٹے اور: انا کنیم، ماما کنیم فرماتے تھے اور جا کر اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور تمہیں اچھی ہو گئیں۔

یہ قصہ بیان فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ ماما کنیم خود کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے۔ جب کوئی کسی گویے سے حمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہرا تا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد ماما کنیم بار بار دہراتے تھے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں، قولہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے، اقول منصور علاج کے قول انا کنی کی سبک سے اچھی تاویل یہی ہے۔ (آپ بی بی ۵ ص ۱۹۷)

آپ بی بی ۵ میں بہت سے الفاظ بزرگوں کے اس قسم کے نقل کئے گئے ہیں اور بعد میں لکھا ہے کہ مقصد اس ساری تحریر سے یہ ہے کہ آدمی کو اپنی فکر میں ہر وقت مشغول رہنا چاہیے۔ دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے خاص طور سے اکابر کے جو کہ معتمد، مقتدا اور علماء ہوں، ان کے اقوال افعال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ خلاف شرع میں اتباع کسی کا نہیں لیکن ان کے اقوال و افعال کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ (آپ بی بی ۵ ص ۱۹۷)

خواجہ صاحب ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں،

”چاہیے کہ کمرہمت کو احکام شرعیہ کی انجام دہی کیلئے چٹ

باند میں اہل باعدون اور نہی عن المنکر کو اپنا شہید اور طہ لہی بنائیں، سنن مترکہ کے زندہ کرنے کو زبردست کام سمجھیں، ہر وارد جو قلب پر گزرتے اس کے خچیانے میں کوشش کریں، وقایع اور منامات پر اعتماد نہ کریں اگر کوئی خواب میں بادشاہ یا قطب وقت ہو جائے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ اور قطب ہے جو خارج میں منصب بادشاہت اور منصب قطبیت پر فائز ہو۔ اگر بالفرض خارج میں بھی کوئی بادشاہ ہو گیا اور کائنات اس کی سزا ہو گئی تو کوئی بزرگی اس کو حاصل ہو گئی اور کونسا عذاب گور..... اور عذاب قیامت اس سے رفع ہو جائے گا۔

بلند ہمت لوگ اس قسم کے امور کی جانب التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مننات میں کوشاں رہتے ہیں، وہ فنا و نیستی اور مستمروار دات میں کوشش کیا کرتے ہیں۔

تم بیسے دوستوں سے امید رکھتا ہوں کہ اس عاصی کو فراموش نہ کرے اور اس فقیر کے حق میں اللہ تعالیٰ سے رحمت مغفرت اور رضا کو مانگو گے“ (مکتوبات خواجہ محمد معصوم ص ۱۷۷)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس وقت عہد نبوت سے دوری اور قرب قیامت کی وجہ سے بدعت شائع ہوتی جا رہی ہے اور بدعت کی ظلمتیں عالم پر محیط ہیں۔ سنت غریب نادر ہو گئی ہے اور اس کے انوار مستور ہو رہے ہیں۔ سنن مترکہ کے زندہ کرنے اور علوم شرعیہ کے پھیلانے

کیلئے کمر ہمت خوب مضبوط باندھو اور اس امر کو وسیلہ کمالِ ضمانتِ حق بنا لو۔ نیز قربِ بارگاہِ محمدی کو بھی اسی عمل سے ڈھونڈو۔ مضمونِ حدیث ہے کہ جو شخص میری ایسی سنت کو جو متردکۃً بعمل ہو گئی ہے زندہ کرے گا اُس کو توشہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ اس سنت پر خود عمل کئے اور اعلیٰ درجہ اس سنت کی نشر و اشاعت اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ (مکتوبات خواجہ محمد مصوم ص ۲۹)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تعلیم الدین ص ۱۸۲ میں تحریر فرماتے ہیں:-
 ”اس غلطی کی اصلاح کہ نقیری میں اتباع شریعت کی ضرورت نہیں، فتوحات میں ہے:- جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو بدینی اور مردود ہے۔ اور اسی میں ہے جو شخص کئے کہ ادھر کوئی اور راہ ہے۔ اللہ کی طرف برخلاف اس کے جو شریعت نے بتلادیا اُس کا قول جھوٹا ہے، پس ایسے شیخ کو مقتدا نہ بنایا جائے جس کو ادب نہ ہو اور اس میں ہے:-

”نہیں ہے، ہمارے لئے اللہ کی طرف کو کوئی راستہ مگر شرعی طور سے، اور نہیں ہے کوئی راہ ہمارے لئے اللہ کی طرف کو مگر وہی جو اُس نے شریعت میں بتلادیا“

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں ”اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ کہ امتیں دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا پر اڑتا ہے تو دھوکہ میں نہ آ جاؤ جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر و نہی اور حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے“

حضرت جنید فرماتے ہیں: ”سب راہیں بند ہیں سُل مخلوق پر سولے اُس کے جو قدم بقدم چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فتوحات میں ہے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو شخص نہ جانتا ہو اُس کے حکم کو کسی مرتبہ میں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا کسی جاہل کو ولی، اور اسی فتوحات میں ہے کہ باوجود علم کے یہودگی کرنا بہتر ہے اُس عمل سے جو جاہل سے ہو فقط۔“

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ عالم اگر کوئی یہودہ بات بھی کرتا ہے تو وہ ایسی خلاف اور بڑی نہیں ہوتی کہ کفر و شرک تک نوبت پہنچ جائے، اور چونکہ اُس کی بُرائی سے واقف ہے، توبہ کی امید ہے۔ بخلاف جاہل کے کہ بسا اوقات ضروری اعمال نماز، روزہ بھی درست نہیں ہوتا اور لا علمی سے کفر و شرک لازم آجاتا ہے اور چونکہ اس کی بُرائی سے واقف نہیں توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ بڑا طویل مضمون تعلیم الدین میں حضرت تھانوی نے لکھا ہے:-
 ”میرے والد صاحب ایک مرتبہ گرمی میں غسل فرماتے تھے اور دو تین

مستعد طالب علم پانی بھر بھر کر ڈول سے ڈال رہے تھے۔ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے واسطے اسراف ہے میرے واسطے نہیں۔ کہنے لگے یہ کیا بات؟ تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں عالم ہوں تم جاہل ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو وہی ہو گیا کہ مولوی اپنے واسطے جو چاہیں جائز کر لیں۔ والد صاحب نے فرمایا فرمایا کہ بالکل صحیح ہے مولوی تو اس لفظ سے فضول بدکتے ہیں۔ ایک ہی کام اگر جاہل کئے تو اپنے جاہل کی وجہ سے ناجائز کر کے کریگا، اور وہی کام اگر غامد کرے تو اُس کو جائز کر کے کریگا“

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلالؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجور لائے (جو عمدہ قسم کی ہوتی ہے) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس گھٹلیا کھجوریں تھیں تو میں نے اُس میں سے دو صاع کے بدلہ میں ایک صاع برنی لے لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہائے ہائے یہ تو بالکل ربوا ہو گیا، ایسا ہرگز نہ کیجیو، جب ایسا کرنا چاہو تو دو صاع کھجوریں داموں سے فروخت کر دیجیو اور ان داموں سے ایک صاع برنی خرید لیجیو۔ ظاہر ہے کہ جاہل ان دونوں میں کیا فرق کریگا۔ وہ تو یہی سمجھے گا کہ دو کے بدلہ میں ایک صاع برنی لی گئی۔ لیکن عالم اس کو جانز کر کے خریدیگا کہ پہلے ان کو مثلاً دو روپے میں فروخت کریگا اور ان ہی دو روپے میں ایک صاع برنی خرید لیگا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکتا تیب میں بھی کثرت سے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے۔ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے احسان ہے
 اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا تَلَقَّ تَرَاكَ (الحديث) یعنی سالک میں
 ملکہ راسخ پیدا ہو جائے، یہ مبداء ہے، اور باعتبار نہایت کے
 رضائے باری عز اسمہ کا حصول ہے۔"

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دورت غلب
 کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے
 فراق و وصل کو کیا ڈھونڈتا ہے، محبوب کی رضا مندی ڈھونڈ

کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)۔
 یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت صادقہ پیدا ہو جائے
 اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جائے کہ ماسوا کا تعلق قلبی منقطع
 ہو جائے یہ اور اس کے مؤیدات و ذرائع سب کے سب وسائل میں
 ریاضات اور اصلاح اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں۔ ہمت قدمین
 صوفیاء اصلاح اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اس میں
 سالہا سال خرچ کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وصول
 الی اللہ سے پہلے ہی موت آجاتی ہے اور انسان کو اس نعمت
 سے محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے۔ متاخرین
 نے اس میں تدبیر سے کام لیا وہ وصول الی اللہ
 اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اور
 اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضور دائم کو پیدا کرتے ہیں اور اس میں
 ملکہ کو رسوخ و قوت دیتے ہیں اور جس کی وجہ سے اخلاق ذمیلہ
 رذائل ایک ایک کر کے زائل ہو جاتے ہیں۔ بہر حال آپ توجہ
 الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں خواہ ذات محضہ
 کی طرف یا باعتبار صفتہ من صفاتہ الکاملہ اور الذین ہم
 علیٰ صلواتہم وبراہیمون کا حال قائم رکھیں۔ انسان کے
 اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے مگر انسان کا فریضہ
 ہے کہ نقائص کے ازالہ میں کوشاں ہے اور ایتا لک فسأجیب
 ہر نماز میں اخلاص سے کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ارشاد فرماتے ہیں دعا میں ما عرفناک حق معرفتک

اور جس طرح بیان کے اور جس طرح پوری دنیا میں بیان کرنا چاہیے اس کا

حق ادا کر کے) غرض کہ اپنی طرف سے جدوجہد اعمال کی تہمید
و اخلاص کی تکمیل ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ اور بارگاہ
خداوندی میں اقرار بالتقصیر کے ساتھ جو کہ واقعی امر ہے معافی
کی درخواست ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ اور قبولیت کی امید
رکھتے ہوئے ہر وقت خائف عن غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری
ہے۔ الا ییمان بین الخوف والرجاء۔

اتباع سنت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں علاوہ
مراقبہ معلومہ کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے
مگر تائید اور تقویت کے لئے جو نسا ذکر مناسب سمجھیں کرتے رہا
کریں، صراط مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ مکتوبہ ۱)

ایک اور طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”جہاں تک ممکن ہو اتباع شریعت اور سنن نبویہ علی صاحبہا
الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری ہمیشہ ملحوظ قلب بصر رکھیے۔ ذکر
میں غفلت مت کیجیے، اپنی غفلت اور معاصی پر ہمیشہ تائب
اور مستغفر رہیے۔ عمر گر انما یہ کوضائع مت کیجیے۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است

جز ہر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق

علیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

(دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرے سب بیکار ہے، عشق کے امر
کے علاوہ جو کچھ پڑھے بیکار ہے، سعدی! غیر حق کو دل کی تختی
دھوئے۔ جو علم اللہ تعالیٰ کا راستہ نہ دکھائے جہالت ہے)“
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۶۹)

اس سے اگلے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ بتلائے ہوئے اذکار کو چھوڑ
بیٹھے ہیں۔ کبھی جوش آیا مہینہ دو مہینے کیا پھر چھوڑ بیٹھے، کیا یہ
واقعہ نہیں ہے کہ آپ پنجگانہ نماز جماعت کی پابندی نہیں کتے۔
کیا یہ واقعہ نہیں کہ نماز فرض کو آپ قضا کر دیتے ہیں۔ صبح کو اس قدر
سوئے کہ آفتاب نکل آیا، کیا اس قسم کے واقعات سے آپ کے ہمدردوں
اور خیر خواہوں کے دل پر صدمہ نہ ہوگا۔ بہر حال آپ کو لازم ہے کہ
اپنی اصلاح کریں۔ اتباع شریعت اور احیائے سنت میں کوشاں
ہوں، جب آپ پر مصائب کی بوچھاڑ ہوتی ہے تب تبتہ ہوتا ہے
اور جب اللہ تعالیٰ فاخ البالی عطاء فرماتا ہے تو بالکل بے فکر
بن جاتے ہیں۔ جس قدر بھی ممکن ہو اپنے کو ذکر کا عادی بنائیے۔“
(مکتوبہ ۱)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”جو احوال جناب نے تحریر فرمائے ہیں اطمینان بخش
اور امید افزا ہیں (الاستقامۃ فوق الکرامۃ) خواب یا انوار الہامات
وغیرہ صرف دل بڑھانے کیلئے سالک کو پیش کئے جاتے ہیں جیسے بچے

کو بھانے کیلئے گھنگھنا دیر یا جاتا ہے۔ اکابر کا مقالہ تلک خیالات ترقی بہا اطفال الطریقة (یہ سب خیالات ہیں جن سے سلوک کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے) مشہور ہے۔ عبادت اور ذکر پر مداومت، اتباع سنت اور شریعت پر قیام یہی امور ہیں جن کے ہم مکلف ہیں اور جن پر استقلال سے عمل پیرا ہونا اور درجات احسان کا حاصل ہونا کمال ایمانی ہے۔ خوف خداوندی اور رجاہ دونوں ایمان کے کمال کی نشانیاں ہیں بکاء اور گریہ کا غالبہ حشیتہ نسبت کا ظہور ہے۔ اللّٰهُمَّ زِدْ قِرْدًا (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم ص ۱۶۸ مکتوبہ ۵)

اس سے اگلے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

” محترما! دنیاوی مصائب بھی اُس کی رحمتیں ہیں جن کے ذریعہ سے بندہ کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے ورنہ بندہ فرعون سامان بن کر انارت کمال الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگتا ہے وَ كَذَّبَتْ اَنْرُ الْاَرْضِ لِيَعْبَادَهُ لَبَّغُوا فِي الْاَرْضِ (اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کیلئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے۔ بیان القرآن) اس کی دلیل ہے۔ نیز ابتلا اور امتحان آزمائش اور پرکھ دونوں طرح جاری ہے، انعام اور وسعت دنیاوی سے بھی اور تنگدستی اور مصائب سے بھی۔ وَ تَبَلَّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فَنْتَحَوْنَ اِلَيْهِمْ ثُمَّ كُوْبِرَىٰ بَهْلِي حَالَتُوْنَ سِیِّئًا مِمَّا كَانُوْنَ عَلٰی طَرَفٍ (بیان القرآن) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَ تَبَلَّوْا نَاهُمْ

بِالْحَسَنَاتِ وَالشَّيْءَاتِ (اور ہم ان کو خوش حالیوں اور برہم حالیوں سے آزماتے ہیں۔ بیان القرآن)

غرضیکہ یہ عالم امتحان کی جگہ ہے اور طرح طرح سے امتحانات کا سلسلہ جاری ہے اس میں پاس ہونے کی فکر ہونی چاہئے اور بجز مالک حقیقی دائم و باقی کسی چیز اور کسی شخص سے دل لگانا نہ چاہئے جو کام کیجئے حسن نیت کے ذریعہ سے عبادت بنا لیجئے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ حتیٰ کہ سونا، کھانا، پینا اور جامات بشریہ کا بجالانا سب عبادت ہو سکتا ہے۔ ذریعہ اور وسیلہ عبادت یقیناً عبادت ہے ذکر اور فکر سے مقصد اصلی رضائے محبوب حقیقی ہے، کسی لذت کا حاصل ہونا، قلب کا صاف ہونا، کشف کرامات کا مل جانا، انوار و برکات کا محسوس ہونا۔ فنا اور بقا و قطبیت غوثیت سب کے سب غیر مقصود ہیں۔ ان کی طرف توجہ اور قصد خطرناک چیزیں ہیں۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

(فراق و وصل کو کیا ڈھونڈتا ہے محبوب کی رضا مندی ٹھونڈ

کہ محبوب کے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے)

مذکورہ بالا اشعار و مسائل و ذرائع ہیں مقصد اصلی صرف

رضائے الہی ہے۔ بندہ کا فریضہ آداب عبودیت بجالانا ہے۔

اس میں جد و جہد جاری رکھیے اور اخلاص و لہیت کو ہمیشہ

پیش نظر رکھیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۵۹ ص ۱۲۹)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”یہ عمر عزیز اور اس کے لمحات بیش قیمت جواہر ہیں۔ ہم اپنی غفلتوں میں ان کو ضائع کر رہے ہیں جن کا خمیازہ بجز کفِ افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہو گا جبکہ ہم کو کہا جائے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَ كَمَا النَّذِيرُ فَمَا لَلظَّالِمِينَ مِنْ تَصْدِيرِ (کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہو تا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرنے والا بھی پہنچا تھا یعنی پیغمبر، سوز و گمگینوں کی ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیان القرآن)

میرے محترم! دوستوں اور احباب کی وجہ سے ان لمحاتِ عزیزہ کو ضائع کرنا کس قدر بے وقوفی ہے، سوچو اور غور کرو کہ اس کو سمجھیے۔

یہ جلسہ بازیوں اور اٹھکسیلیاں آج اچھی معلوم ہو رہی ہیں مگر موت کے قریب اور بعد ان پر لعنت اور ہزار لعنت بھیجی ہو گی، ان میں جہاں تک ممکن ہو کمی کیجیے۔ لَا تَلْهَكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پاویں۔ بیان القرآن) پر غور کیجیے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ (مال اور اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے

اور جو اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رشتے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔ بیان القرآن) کو پس پشت نہ ڈالئے۔ یہ جوانی کی عمر اور صحتِ حاضرہ نہایت عظیم الشان نعمت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دیجئے۔

ہر نفس بہر سیجائیت چُست
گر نداری پاس او از جہل تست
این چنینی انفاس خوش ضائع مکن
غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

(ہر لمحہ زندگی) مسیحائی کیلئے آمادہ اور تیار ہے۔ اگر تو اس کا لحاظ نہیں کر سکتا تو یہ تمہاری جہالت ہے، ان بہترین لمحات کو ضائع مت کر اور غفلت کو رُوح کے شہر میں عام مت کر، نعمتانِ مغبون فیہما کثیر من الناس الصّحۃ و الفراخ (و نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارہ میں ہیں، صحت اور فراغت) اس کی قدر کیجئے اور پاس انفاس کو اس درجہ بڑھائیے کہ بلا قصد و بلا اختیار ہر وقت ہونے لگے اور اس کے بعد ذکرِ قلبی کے جریان کی نوبت پہنچ جائے اور ترقیِ سلوک کا راستہ کھل جائے۔ تاخیر نہ کریں اتباعِ سنت کا ہر حرکت و سکون میں لحاظ رکھیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۲۹ ص ۱۳۰)

اکابر کے کلاموں میں بہت تصریح اس بات کی ہے کہ اصل مقصود درجہ

احسان کا حاصل کرنا ہے اور یہ مجاہدات و ریاضات جو صوفیوں نے تجویز کئے ہیں وہ امراض قلوب کی وجہ سے تجویز کئے ہیں جیسا کہ امراض بدنہ میں نئے نئے امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس کیلئے ڈاکٹر حکیم نے نئے ادویہ تجویز کرتے رہتے ہیں جیسا ان کے متعلق یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ بدعت ہیں ایسا ہی ان علاجوں کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ بدعات ہیں یہ ناواقفیت ہے۔ وہ تو اصل مقاصد میں بن نہیں۔ وہ تو خاص خاص امراض کے خاص خاص طریقہ علاج ہیں۔

..... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ "التحفة العراقیہ فی فی الاعمال القلبیہ" میں اعمال قلوب پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں (اصل رسالہ عربی میں ہے ترجمہ میں اس کا ملخص لیا گیا ہے) کہ مختصر کلمات اعمال قلوب کے بیان میں جن کو مقامات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اصول ایمان و قواعد دین میں سے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت، توکل، اخلاص، شکر، صبر، خوف ورجاء وغیرہ، یہ سارے اعمال تمام مخلوق پر واجب ہیں۔ اس میں ائمہ دین کا اتفاق ہے اور لوگ اس میں تین درجہ پر ہیں جیسا کہ اعمال ابدان میں تین درجوں پر ہیں۔ (۱) ظالم (۲) مقصد (۳) سابق بالخیرات۔

(۱) ظالم وہ ہے جو کسی مامور کا تارک اور ممنوع کا مرتکب ہو۔ (۲) اور مقصد وہ ہے جو داجبات کو ادا کرے اور محرمات سے بچے۔ (۳) اور سابق بالخیرات وہ ہے جو حتی المقدور تقرب حاصل کرے۔ داجبات، مسنونات و مستحبات سب کے ذریعہ اور ممنوعات کی ہر قسم محرمات، مکروہات سے بچے۔ اگرچہ مقصد اور سابق بالخیرات سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں جو یا تو توبہ سے یا نیکیوں یا مصائب کے ذریعہ

معاف کر دیئے جاتے ہیں اور یہ دونوں مقتصدین اور سابقین اولیاء اللہ ہیں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ** **لَتَتَوَفَّ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ط** **لَئِنِ ادَّارْنَا لِلْمُؤْمِنِينَ تَقْوِينَ هُنَّ**۔ لیکن یہ ان مؤمنین متقین کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص۔ عام مقتصدین ہیں اور خاص سابقین بالخیرات ہیں۔

اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے پورے رسالہ میں اعمال باطنہ کی مختصر تفصیل لکھی ہے۔ صدق و کذب، اللہ کی محبت، اس کے ساتھ اخلاص، اس پر توکل اور اس کی رضا جوئی اور اس جیسے اعمال باطنہ سب مامور بہ ہیں، توکل علی اللہ اور اللہ سے مدد چاہنے سے بھی بندہ اپنے مقصد کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر توکل مفصل بحث کی ہے۔ داجبات ایمان میں سے سب اعظم اکبر و اجل اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ نیز اللہ کے محب اور محبوبین کی صفات اور یہ کہ اللہ کی محبت اصل، اعمال دین ہے اور رعنا، خوف وغیرہ اللہ کی محبت کو تسلیم ہیں، اللہ کی محبت میں قدماء صوفیاء کا کلام، اللہ کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے رسول کا اتباع کیا جائے۔ حضرت سیدنا علی علیہ السلام کا اتباع باطنا و ظاہراً اللہ کی محبت کو پیدا کرتا ہے۔ وغیرہ امور پر بہت طویل کلام کیا ہے، پورا رسالہ دیکھنے کے قابل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے بھی الوابل الصیب من الکلم الطیب ص ۶۹ میں جو مرام صوفیاء کے احوال اور ان کے اذکار و اوراد کے بارے میں ہے اس میں شیخ کیلئے یہ شرط بتائی ہیں کہ جب کوئی شخص کسی سے مرید ہونا چاہے تو اس کو باطنیہ کہ دیکھے کہ وہ اہل ذکر میں سے ہو، اہل غفلت میں سے نہ ہو اور یہ کہ

وہ متبع سنت ہو، متبع ہوا نہ ہو اور اپنے امور میں محتاط ہو۔ اگر ایسا شیخ مل جائے تو اس کے رکاب کو مضبوط پکڑ لے اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا معمول نقل کیا ہے (ص ۱۰۰) کہ شیخ کے پاس ایک دفعہ میں حاضر ہوا انہوں نے فجر کی نماز پڑھی اور اسی جگہ بیٹھ کر زوال کے قریب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے اور مجھ سے فرمایا کہ یہ ذکر میرا صبح کا کھانا ہے۔ اگر میں صبح کا یہ کھانا ذکر نہ کھاؤں تو میری قوت ختم ہو جائے اور میں ذکر صرف اس وجہ سے چھوڑتا ہوں کہ نفس کو آرام دیکر دوسرے ذکر کیلئے تیار کروں۔

حافظ ابن قیم نے ایک کتاب ”منازل السائکین“ تصوف ہی میں لکھی ہے جو شیخ ابو اسماعیل عبداللہ ہروی جنسلی صوفی متوفی ۵۷۱ھ کی تصوف کی مشہور کتاب ”منازل السائکین“ کی شرح ہے اسمیں ساری تصوف ہی کی بحثیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”آدمی کی بندگی دل اور زبان اور بقیہ اعضا پر منقسم ہے، واجبات قلب اخلاص توکل، محبت، صبر، انابت خوف ورجاء تصدیق جازم، نیت صدق ہیں۔ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ اعمال قلبیہ واجب ہیں۔ اس کے بعد مختلف فیہ واجبات کو ذکر کیا ہے جس میں رضا بالقضاء اور نماز کا خشوع کہ اگر خشوع فوت ہو جائے تو نماز واجب الاعدادہ ہے یا نہیں اس کے محرمات کا ذکر کیا ہے کہ محرمات دو قسم کی ہیں، ایک کفر، ایک معصیت کفر جیسے شک، نفاق، شرک وغیرہ اور معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں، کبائر اور صغائر۔ کبائر جیسے ریاء، عجب، کبر، فخر، خیلا، ناامیدی، اللہ کے نکر سے بے خوف ہونا۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے سے خوش ہونا اور ان کی نسبت پر مسرت کا اظہار کرنا اور اس کو پسند کرنا کہ مسلمانوں میں فواحش پھیلیں اور

مسلمانوں پر حسد کرنا اور ان جیسے امور جو زنا، شرب خمر وغیرہ کبائر ظاہر سے بھی بہت زیادہ سخت ہیں اور ان امور کو چھوڑے اور توبہ کیے بغیر قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ اگر صفائی نہ کی گئی تو قلب فاسد ہو جائے گا اور جب قلب فاسد ہو جائے گا تو بدن بھی فاسد ہو جائے گا، قلب کی اصلاح جماع سے مقدم ہے۔ اگر قلب کی اصلاح کو نظر انداز کر دیا گیا تو قلب ان کے اضاو سے بھر جائے گا۔ اخیر تک بہت مفصل کلام ہے۔ اور ان ہی چیزوں کی اصلاح کیلئے مشائخ تصوف سائے ریاضات و مجاہدات کرتے ہیں۔

حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد مولانا میرٹھی نے حضرت کی سوانح تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ :-

حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ کا اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا پرچہ ملا جو آپ نے اوائل عمر میں معلوم نہیں کس مقصد سے لکھا تھا۔

”علم الصوفیہ علماء الدین ظاہراً باطناً وقسوة

الیقین وهو العلم الاعلیٰ۔ حالہما اصلاح الاخلاق

ودوام الافتقار إلى الله تعالیٰ۔ حقیقۃ التصوف

التخلق باخلاق الله تعالیٰ وسلب الازادہ وکون

العبد فی رضا، الله تعالیٰ۔ اخلاق الصوفیۃ ما

هو خلقه علیه الصلوة والسلام بقوله اِنَّكَ

لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ وَمَا رَدَّ بِهِ الْحَدِيثُ وَتَفْصِيلُ

اخلاقهم هكذا (۱) التواضع ضده الكبر

(۲) المداراة واحتمال الاذى عن الخلق (۳) المعاملة

برفق وخلق حسن و ترک غضب و غیظ (۴) المواساة
والایثار بفرط الشفقة علی الخلق وهو تقدیم حقوق
الخلق علی حظوظه (۵) السخاوة (۶) التجاوز
(۷) العفو وطلاقة الوجه والبشرة (۸) السهولة
ولین الجانب (۹) ترك التعسف والتكلف
(۱۰) انفاق بلا اقتار و ترك الادخار (۱۱) التوکل
(۱۲) القناعة بيسیر من الدنيا (۱۳) الورع (۱۴) ترك
المراء والجدال والعتب الأبیح (۱۵) ترك الغل
والحقد والحسد (۱۶) ترك المال والجاه
(۱۷) وفاء الوعد (۱۸) الحلم (۱۹) الاناءة (۲۰) التواد
والتوافق مع الاخوان والعزلة عن الاغیاء (۲۱) شكر
المنعم (۲۲) بذل الجاه للمسلمین -

الصوفي يهذب الظاهر والباطن في
الاخلاق والتصوف ادب كله. ادب الحضرة
الالهية الاعراض عن سواها حياء واجلالاً وهيبته
اسوء المعاصي حديث النفس وسبب الظلمة -
ترجمہ مولانا میرٹھی نے لکھا ہے :-

”صوفیا، کا علم نام ہے ظاہر و باطن، علم دین و قوت
یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا
اور ہمیشہ خدا کی طرف ٹولکائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مرتین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا
اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔
صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ ”بے شک تم بڑے
خلق پر (پیدا کئے گئے) ہو“ اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے
اُس پر عمل اخلاق صوفیاء میں داخل ہے۔ صوفیاء کے اخلاق
کی تفصیل اس طرح ہے :-

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر (۲) مخلوق
کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت
کرنا (۳) نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غریظ و غضب کا
چھوڑ دینا (۴) ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر
فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق
کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے (۵) سخاوت کرنا۔
(۶) درگزر اور خطا کا معاف کرنا (۷) خندہ روئی اور نباشت
جسم (۸) سہولت اور نرم پہلو رکھنا (۹) تصنیع اور تکلف کو
چھوڑ دینا (۱۰) خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ
احتیاج لاحق ہو (۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا (۱۲) تھوڑی سی
دنیا پر قناعت کرنا (۱۳) پرہیزگاری (۱۴) جنگ جہل اور
عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ (۱۵) بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا۔
(۱۶) عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا (۱۷) وعدہ پورا کرنا۔

(۱۸) بُرْد باری (۱۹) دورانِ مذہبی (۲۰) بھائیوں کے ساتھ موافقت
و محبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا (۲۱) محسن کی شکرگزاری
(۲۲) اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن منذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا
ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے منہ پھیر لیا
جلئے۔ شرم کے ملے حق تعالیٰ کے اجلال اور بیعت کے سبب، بدترین معصیت
ہے تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔
انتہی کلام قطب الارشاد مع الترجمہ۔

بیعت

صوفیاء کی بہت سی چیزوں پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ حالانکہ بیعت
صوفیاء کے یہاں لازم نہیں جیسا کہ میں آگے بیان کروں گا، مگر اس کا ثبوت
قرآن و حدیث سے ہے۔ قرآن پاک میں سورہ ممتحنہ میں ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا
جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ مَبَاطِنًا إِلَىٰكَ... الآية۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ لے پیغمبر!
(صلی اللہ علیہ وسلم) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں
پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری
کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی۔ اور نہ کوئی بہتان
کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنا لیں اور
م شروع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور
ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
(بیان القرآن)

اس کے حاشیہ پر حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت
بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس سے بیعتِ رسمی کا جس میں عمل کا اہتمام
نہ ہو ابطال لازم آتا ہے۔ بخاری شریف میں کتاب الایمان میں حضرت عبادہ
بن الصامت کی روایت ہے:-

عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه وكان
شهد بدنا وهو احد النقباء ليلة العقبة الت

رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحوله عصياً
من اصحابه بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً
ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تاتوا
ببہتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا
فی معروف فمن وفى منكم فاجزه على الله ومن
اصاب من ذلك شيئاً فعوقب فى الدنيا فهو
كفارة له ومن اصاب من ذلك شيئاً ثم
ستره الله فهو الى الله انشاء عفا عنه وانشاء
عاقبه فبايعناه على ذلك ۞

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ بدر
میں بھی شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے
ان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا اور آپ کے چاروں طرف صحابہ کی ایک جماعت تھی، او
مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو
شریک نہ کر دے اور نہ چوری کر دے، نہ زنا کر دے اور نہ اپنی
اولاد کو قتل کر دے اور نہ کسی پر بہتان باندھو گے اور مشروع
باتوں میں خلاف نہ کر دے۔ جو اس عہد کو پورا کرے اس کا اجر
اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور جو ان چیزوں میں سے کسی کا مرتکب ہوگا
اور اس کی سزا اس کو دنیا میں مل گئی تو یہ سزا اس کیلئے کفارہ
ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ستاری کی تو آخرت میں اللہ

جل شانہ چاہے اس کو سزا دیں چاہے معاف کریں یہ اللہ تعالیٰ
کی مشیت پر ہے۔ حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان باتوں
پر آپ سے بیعت کی۔

یہ بیعت نہ بیعت اسلام ہے نہ بیعت جہاد ہے، وہی بیعت صوفیاء
ہے جو امور اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بقول انجمیل میں بیعت کی حقیقت
پر مفصل کلام کیا ہے جس کا ترجمہ شفاء العلیل میں ہے :-

قال الله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
يَبَايِعُونَ اللَّهَ... الآية. حق تعالیٰ نے فرمایا مقرر جو لوگ بیعت
کرتے ہیں تجھ سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وہ اللہ تعالیٰ سے
بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے سو
جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے۔ اور
جس نے پورا کیا اس کو جس پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا سو
عنقریب ان کو اجر عظیم عنایت کریگا۔

اور احادیث مشہورہ میں منقول ہوا ہے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ لوگ بیعت کرتے تھے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ہجرت اور جہاد پر اور گلے اقامت
ارکان اسلام یعنی صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ پر اور گلے ثبات
اور قرار پر معرکہ کفار میں جیسا کہ بیعت الرضوان اور کبھی سنت
نبوی کے تمسک پر۔ اور بدعت سے بچنے پر اور عبادات کے

عریض اور شائق ہونے پر۔ چنانچہ بروایت صحیح ثابت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی انصاریوں کی عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر۔ اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند محتاج مہاجرین سے بیعت لی اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں۔ سوان میں سے کسی شخص کا یہ حال تھا کہ اس کا کوڑا اگر گر جاتا تھا تو خود ہی اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کو اٹھالیتا تھا اور کسی سے کوڑا اٹھایے کا بھی سوال نہ کرتا تھا۔ اور جس میں کوئی شک شبہ نہیں وہ ہے کہ جب ثابت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فعل بطریق عبادت اور اہتمام کے نہ بسبیل عادت تو وہ فعل سنت دینی سے کمتر تو نہیں..... تو ہم کو چاہیے کہ بیعت کی گفتگو کریں کہ وہ کونسی قسم میں سے ہے۔ سو بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ بیعت منحصر ہے قبول خلافت اور سلطنت پر اور وہ جو صوفیوں کی عادت ہے باہم اہل تصوف سے بیعت لینے کی وہ شرفاً کچھ نہیں۔ اور یہ گمان فاسد ہے بدلیل اس کے جو ہم مذکور کر چکے کہ مقرر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بیعت لیتے تھے اقامت ارکان اسلام پر اور گاہے تمسک بالسنتہ پر اور صحیح بخاری گواہی دے رہی ہے اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ عنہ پر شرط کی ان کی بیعت کے وقت سو فرمایا کہ خیر خواہی لازم ہے ہر مسلمان کے واسطے اور حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی قوم انصار سے سو یہ شرط کر لی نہ ڈریں امر خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت سے اور حق ہی بات بولیں جہاں ہوں، سوان میں سے بعض لوگ امر اولاد سلاطین پر کھلکر بلا خوف ردوانسار کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں سے بیعت لی اور شرط کر لی کہ نوحہ کرنے سے پرہیز کریں۔ ان کے سوا بہت امور میں بیعت ثابت ہے اور وہ امور از قسم تزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہیں۔

سلاطین کے زمانہ میں یہ بیعت کا سلسلہ اس واسطے بند ہو گیا کہ اس سے بیعت خلافت سے استنباہ ہو کر فتنہ پیدائے ہو اُس زمانہ میں اہل تصوف نے فرقہ دینا قائم مقام بیعت کر نیکی کر لیا تھا۔ پھر ایک زمانہ بعد جب بادشاہوں میں بیعت خلافت کا سلسلہ متروک ہو گیا تو صوفیاء نے فرصت کو فہمیت سمجھ کر بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا، فقط

اس کے بعد شاہ صاحب نے مستقل فصل باذہمی ہے کہ بیعت واجب ہے یا سنت، اور تحریر فرمایا ہے کہ بیعت سنت ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا اور کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ بیعت نہ کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے تارک بیعت پر تکیہ کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل ص ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں "بیعت جو صوفیوں

میں متواتر ہے وہ کئی طریق پر ہے۔ پہلا طریقہ بیعت تو یہ ہے معاصی سے اور دوسرے طریقہ پر بیعت تبرک ہے۔ یعنی بقصد برکت صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونا بمنزلہ سلسلہ اسناد حدیث ہے کہ اس میں البتہ برکت ہے اور تیسرا طریقہ بیعت تاکد عزیمت یعنی عزم مضمم کرنا واسطے خلوص امر الہی اور ترک شاہی کے ظاہر اور باطن سے اور تعلیق دل کی اللہ جل شانہ سے اور یہی تیسرا طریقہ اصل ہے اور پہلے دونوں قسم کے طریقوں میں بیعت کرنا عبادت ہے۔ ترک کبائر سے اور نہ آرٹھانا صغائر پر اور طاعات مذکورہ کو اختیار کرنا از قسم واجبات اور موکدہ سنتوں کی اور عمدہ شکنی عبارت ہے خلل ڈالنے سے اس میں جن کو ہم نے مذکور کیا یعنی ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر اور طاعات پر مستعد نہ ہونا عمدہ شکنی ہے اور تیسرے طریقہ میں پورا کرنا بیعت کا عبارت ہے مدام ثابت رہنے سے اس ہجرت اور مجاہدہ اور ریاضت پر یہاں تک کہ روشن ہو جائے اطمینان کے نوع سے اور یہ اس کی عادت اور خو اور جبلی ہو جائے بلا تکلف تو اس حالت کے نزدیک گاہے اس کو اجازت دی جاتی ہے اس میں جس میں شرع نے مباح کیا ہے از قسم لذات کے اور مشغول ہونے کے بعضے ان کاموں میں جن میں طول مدت کی طرف حاجت ہو جاتی ہے جیسے درس کرنا علوم دینی کا اور قضا اور بیعت شکنی عبارت ہے اس کی خلل اندازی سے قبل از نورانیت دل کے“

التکشف میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے :-

عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعة اوثمانیة اوسبعة فقال

الاتبايعون رسول الله فبسطنا ايدينا وقلنا علام نبأيك يا رسول الله قال على ان تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا وتطيعوا واسر كلمة خفية قال ولا تستلوا الناس شيئاً فلقد رأيت بعض اولئك النفس يهتقط سوط احدهم فما يسأل احدنا وله اياه اخرجوه مسلم وابود اود والنسائي -

حضرت عوف بن مالک اشجعیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے! ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے“

فائدہ: حضرات صوفیاء کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے

عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا۔ مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخیا طبین چونکہ صحابہؓ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور مضمون سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں بلکہ بدالالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ پس مقصود ثابت ہو گیا۔

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس کے اظہار میں افتتان و اضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم و لیل خصوصیت اہتمام ہے اس میں طالب کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سُن کر صرص و تقلید نہ کریں جن کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے۔ سو اس حدیث میں اس عادت کی اہل پائی جاتی ہے۔ نیز اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنی کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے، نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے۔ مگر چونکہ لفظ فی نفسہ اس کو محتمل تھا کہ گو وہ احتمال قرآن کی وجہ سے یقیناً منفی ہے اس احتمال لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے کی بھی احتیاط رکھے جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

اشنائے خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی دروازہ سے آگے تھے، سُن کر وہاں ہی بیٹھ گئے۔ حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آکر موق پر بیٹھ جاؤ کھڑے مت رہو، نہ یہ کہ آؤ بھی مت۔

یہ شعبہ ہے غایت احترام و تادب شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کیلئے شرط عظم ہے۔ اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت عبادہؓ کی حدیث نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی۔ اس کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپ نے بیعت کا امر فرمایا وہ صحابہؓ تھے جس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترک معاصی و التزام طاعات کیلئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت طریقت ہے جو صوفیاء میں معمول ہے۔ پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔ فقط۔

از زکریا عفی عنہ۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر شیخ بعض خصوصیات کی وجہ سے کسی مرید سے کہے کہ مجھ سے بیعت ہو جا تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ میرے عزیز ابتداء و مکرم و محترم اہتمام مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ نے حیاۃ الصحابہؓ میں باب البیعت میں بہت تفصیلی روایات جمع کی ہیں اور بیعت الاسلام، بیعت الجہاد وغیرہ کے ابواب کثرت سے قائم کئے ہیں وہاں ایک مستقل عنوان "البیعت علی اعمال الاسلام" کا بھی قائم کیا ہے۔ یہ روایات اور ان کی تحریجات اور اسانید تو بہت لمبی ہیں چند مختصر روایات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس کو تفصیل دیکھنی ہوں وہ اہل حیات الصحابہ سے پوری روایات اور تحریجات دیکھ لے۔

(۱) بشیر بن خصاصیہؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کیلئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ کن امور پر مجھ سے بیعت لیتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک (بیعت کرنے کے واسطے) پھیلائے اور فرمایا کہ تو گو کہ اس بات کی کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات پر پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب باتوں کی مجھے طاقت ہے مگر دو چیزوں کی طاقت نہیں۔ ایک زکوٰۃ کی کہ میرے پاس صرف دس اونٹ ہیں وہی میرے اہل و عیال کے دودھ کیلئے اور سواری کیلئے ہیں۔ اور جہاد کی بھی طاقت نہیں کیونکہ میں کمزور دل ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو جہاد سے بھاگے تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور کسی وقت موت کے ڈر سے بھاگ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا اور حرکت دیکر فرمایا کہ اوبشیر! جب نہ زکوٰۃ ہوگی نہ جہاد ہوگا پھر جنت میں کیسے جائے گا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا اپنے ہاتھ پھیلائے میں بیعت کرتا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک پھیلائے اور میں نے ان تمام امور بالا پر بیعت کی۔

(۲) حضرت جریر کی روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جریر! اپنے ہاتھ پھیلا، تو میں نے عرض کیا کہ کس بات کیلئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس واسطے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا تابعدار بنائے۔ اور ہر مسلمان کیلئے خیر خواہی کر۔ اس کو انہوں نے بہت غور سے سنا۔ اور آدمی بہت سمجھدار تھے اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جہاں تک مجھے طاقت ہے، تو اس کے بعد حضرت جریر کا یہ کہنا لوگوں کیلئے رخصت کا سبب ہو گیا۔

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی جو مجھ سے بیعت کرے تو حضرت ثوبان نے عرض کیا کہ ہمیں بیعت فرمائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کریگا تو حضرت ثوبان نے عرض کیا اس کو کیا ملیگا، تو آپ نے فرمایا جنت! تو حضرت ثوبان نے بیعت کی۔ ابو امامہ کہتے ہیں کہ مکہ میں میں نے ان کو بڑے مجمع میں دیکھا کہ ان کا چاہنک گر جاتا تھا اور بعض دفعہ وہ کسی شخص کے کندھے پر گر جاتا اور وہ آدمی اٹھا کر پکڑتا تو وہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ خود سواری سے اتر کر لیتے تھے۔

حضرت ابو ذر کی حدیث کے بہت سے الفاظ بہت سی سندوں سے نقل کئے گئے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ دفعہ مجھ سے اس بیعت لی کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت نہ دوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر سے فرمایا کہ چھ دن انتظار کر اور ساتویں دن تجھ سے ایک بات کہوں گا اُسے اچھی طرح سمجھ لیجئے، ساتویں دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاً تجھے وصیت

کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تقوے کی، تنہائی میں ہی اور جمع میں بھی، خلوت میں ہی
جلوت میں بھی۔ اور جب کوئی بُرائی ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی اچھا کام
کر لیا کر، اور کسی ہے سوال نہ کر، چاہے تیرا کوڑا ہی گر جائے، اور کسی کی امانت
نہ رکھنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مروجہ مجاہدات کی ضرورت نہیں تھی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت ہی درجہ احسان تک پہنچانے کیلئے بہت کافی تھی۔ مشائخ متقدمین
اور متأخرین کی کتابوں میں کثرت سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت ہی مرتبہ احسان تک پہنچانے کیلئے بالکل کافی تھی، لیکن حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور نورانیت سے
بعد ہوتا گیا ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا۔ حضرت انسؓ کا قول مشکوٰۃ ص ۵۴۷
میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ
میں تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی۔ اور جس دن حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد قبر اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاٹے
تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا، یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی
اور نورانیت نہ رہی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کے وقت
محسوس ہوتی تھی۔ حضرت حنظلہؓ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حضرت
ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض
کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ کہنے لگے سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو! میں نے کہا

کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے نکلنے ہیں اور بیوی بچوں، کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سُن کر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حالت تو میری بھی ہے، تو میں اور حضرت ابو بکرؓ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ تو منافق ہو گیا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ تو میں نے اوپر والی ساری بات دہرائی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم ہر وقت اس حال پر رہو جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمھارے بستروں پر اور تمھارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ گاہے گاہے تین دفعہ ارشاد فرمایا، یعنی آدمی ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا حضور کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال مشائخ کا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو کیفیات و حالات ان کے مریدین و متوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد میں لفظ ”ذکر“ سے اور تعمیم ہو گئی کہ مجالس ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبہ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہونے کا بھی بدل ہے۔

(مشکوٰۃ بروایت مسلم ص ۱۹۸)

التکشف ص ۶۳۱ میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے اپنے ایک باغ میں

نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دُسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اُڑا اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا، تو ابو طلحہؓ کو یہ امر خوشنما معلوم ہوا کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے، اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی، پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صرف فرمائیے۔ روایت کیا اس کو امام مالکؒ نے۔

فائدہ (۱)۔ (عادة مراقبہ قلب) صوفیاء کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کا یہ تہنہ اثر اس مراقبہ کا ہے۔

فائدہ (۲)۔ (حال غیرۃ) حق تعالیٰ سے غافل کر نیوالی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

فائدہ (۳)۔ (تعلیم اخراج شئی مشاغل عن الحی از ملک یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اس کو اپنی ملک سے نکال دینا) اکثر بزرگوں

کی ایسی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے جدِ اکرمؐ کے حکم فرما دیا۔ اس معاملہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ (انتہی مانی تکشف) مؤطایں اسی قسم کا ایک قصہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ایک انصاری کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کھجوروں کا زمانہ تھا اور کھجوریں خوب لدرہی تھیں، اس باغ پر نظر پڑی اور بہت اچھا لگا (دل اس میں مشغول ہوا) پھر نماز کی طرف توجہ ہوئی تو یہ پتہ نہ چلا کہ کتنی رکعت پڑھی، تو کہنے لگے کہ مجھے اس باغ سے فتنہ پہنچا تو حضرت امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ سارا قصہ نقل کیا اور عرض کیا کہ یہ میرا باغ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ ہے جہاں چاہیں اس کو خرچ کر دیجئے تو حضرت عثمانؓ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر دیا اور اس باغ کا نام خمیسین ہو گیا (جس کا ترجمہ پچاس ہے) اور حضرت عثمانؓ نے اس کو بیچ کر صدقہ کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس قسم کے بیسیوں نہیں سیکڑوں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بلا مجاہدات و ریاضات ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مؤطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعات اسی نسبت کے آثار ہیں جو قلب میں پکیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ہر چیز پر مقدم کرتے تھے اور اس کے ماسوا میں بڑی غیرت محسوس کرتے تھے۔ علامہ ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ

صحابہ کرامؓ میں ایسے واقعات جو نماز میں دوسری طرف مشغول کر دیں بہت کم پیش آتے تھے، اور جب پیش آتے تھے تو ان پر بہت بار ہوتا تھا۔ پھر ہم جلیسوں کا کیا حال ہو گا جن کو کثرت سے اس قسم کے واقعات (وساوس) پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف کرے۔ (اوجہ ص ۳۱۴)

اس ناکارہ کے رسالہ حکایات صحابہؓ کے پانچویں باب میں ان حضرات کے نماز میں مشغولی و انہماک کے بہت سے واقعات لکھے ہیں جس میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (جو صغار صحابہؓ میں ہیں) نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا ایک بیٹا ہاشم نام پاس سو رہا تھا، پھت میں سے ایک سانپ گرا اور تپتہ پر لپٹ گیا، وہ چلا یا، گھر کے سب لوگ دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، سانپ کو مارا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے لگے کہ کچھ شور کی سی آواز آئی تھی کیا تھا؟ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے بچہ کی توجان ہی گئی تھی تمہیں پتہ ہی نہ چلا! فرمانے لگے تیرا ناس ہو اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔

حکایات صحابہؓ میں بہت سے واقعات اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں، ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مجاہدات اور ریاضات کی کیا ضرورت بھی جو "ان تعبد اللہ کأنک تراہ" کے مقام پر فائز تھے۔

عزیز محترم مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حیاہ صحابہؓ میں بھی باب "حقیقت الایمان" میں صحابہ کرامؓ کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں جہاں پہلا واقعہ حضرت حارث ابن مالک کا نقل کیا ہے کہ وہ مسجد میں سوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پاؤں مبارک سے ان کو حرکت

دی اور فرمایا کہ سر اٹھاؤ۔ انھوں نے سر اٹھا کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا ارشاد ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کس حال میں صبح کی؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس حال میں صبح کی کہ پتھا مؤمن ہوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کچھ بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے اس کہنے کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے مٹھ پھیر لیا اور سائے دن پیسا رہا (روزہ رکھا) اور ساری رات بیدار رہا اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں، اور اہل نار کو دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ایسا آدمی ہے جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا، تجھے معرفت حاصل ہو گئی، اس پر قائم رہ۔ (حیاء الصحابہ ص ۱۹)

مجاہدات ریاضات صوفیہ

یہ پہلے گزر چکا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی زیارت ہی مرتبہ احسان حاصل کرنے کیلئے کافی تھی جیسا کہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد پہلے گزر چکا اور تبنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو بعد ہوتا گیا آتنا ہی نسبت احسان میں کمی آتی گئی اور اطباء، روحانی کوان کے معالجات کیلئے روحانی دوائیں تجویز کرنی پڑیں۔

شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل میں ہے۔ مترجم کتاب ہے حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظر سے شہادت ناقصین سے جڑ کو اکھاڑ دیا، بعض نادان کہتے ہیں کہ قادر یہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سید ہوئے۔ خلاصہ کہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمانہ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے پابند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کی جس کو طریقت کہتے ہیں اور اس کے قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سید کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ البتہ ضرور ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال

کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کے کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی۔ جیسے صحابہ کرام کو قرآن اور حدیث کے فہم میں قواعد صرف اور نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بافضل عرب اس کے محتاج ہیں۔

اس کے حاشیہ پر جناب مولانا نواب قطب الدین خان دہلوی سے نقل کیا ہے کہ مثال اس کی ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہو ہے ہر چیز پڑھ سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہو گیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کیلئے۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کیلئے نہ تھی، فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا کہ اب چلوں میں وہ نہیں حاصل ہوتا، اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کیلئے۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد مرشد قدس سرہ سے میں نے سنا کہ اپنے طویل خواب کو ذکر کرتے تھے جس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور سید الاولیاء علی مرتضیٰؑ کو دیکھا تو فرمایا کہ میں نے علی مرتضیٰؑ کو ام اللہ وجہ سے پوچھا اپنی نسبت سے کہ آیا یہ وہی نسبت ہے جو تم کو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل تھی تو مجھ کو امر کیا نسبت میں استغراق کرنے کا اور خوب خوب تا مل کیا پھر فرمایا یہ نسبت وہی ہے بلا فرق (اس واقعہ کو شاہ صاحب نے در شمیں ص ۶۱ پر بھی تحریر فرمایا ہے) پھر معلوم کرنا چاہیے کہ نسبت پر مداومت کرنیوالے کے حالات رفیع الشان نوبت بنوبت ہوتے ہیں گاہے کوئی اور

کبھی کوئی تو سالک ان حالات رفیعہ کو غنیمت جانے اور معلوم کرے کہ حالات مذکورہ طاعات کے قبول ہونے اور باطن نفس اور دل کے اندر اثر کرنے کی علامت ہیں منجملہ احوال رفیعہ کے مقدم رکھنا ہے طاعات الہی کا اس کے جمیع ماسوا پر او اس پر غیرت کرنا، سو البتہ امام مالکؒ نے مؤطا میں عبد اللہ بن ابی بکر سے روایت کی کہ ابو طلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھتے تھے (حضرت ابو طلحہؓ کا قصہ پہلے مفصل گذر چکا) آگے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ جس کا اس آیت میں اشارہ ہے قَطِفْنَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ مشہور اور معلوم ہے۔ مترجم کہتا ہے قصہ مذکورہ مجملایوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بار گھوڑوں کے دیکھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ آفتاب ڈور گیا نماز عصر قضا ہو گئی تو فرمایا کہ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹی جاویں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کمال کے نزدیک طاعت حق ہر امر پر مقدم ہوتی ہے اگر اچانک کسی چیز کی مشغولی نے طاعت حق میں خلل ڈالا تو غیرت اہل کمال اس چیز کے دفع کرنے کو مقتضی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے عمدہ باغ خیرات کر دیا اور حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو مردا ڈالا۔ بیان القرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں قَطِفْنَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ میں لکھا ہے کہ وہ قصہ ان کا قابل یا و کرنے کے ہے جبکہ شام کے وقت ان کے روپر دھیس اور عمدہ گھوڑے جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے جاتے تھے پیش کئے گئے اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر روپر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اور کچھ معمول از قسم نماز فوت ہو گیا کذا فی الدر المنثور عن علیؑ اور بوجہ بہیبت اور جلالت کے کسی خادم کی جرأت نہ ہوئی کہ مطلع او متنبہ کرے کذا فی الدر عن ابن عباسؓ پھر جب خود ہی تمبر ہوا تو کہنے لگے

کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں لگ کر اپنے رب کی یاد سے یعنی نماز سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پر وہ مغرب میں چھپ گیا اور پھر شرم و خدشہ کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ، چنانچہ لائے گئے، سو انہوں نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ (کذا فی الدرر مفقاً بسند حسن) یعنی اُن کو ذبح کر ڈالا۔ اس کو اصطلاح تصوف میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز سبب غفلت عن اللہ ہو جائے اس کو اپنے پاس نہ رہنے دیں۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں اور منجملہ حالات رفیعہ کے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اس طرح پر کہ اس کا اثر بدن اور جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔ حفاظتِ حدیث نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخصوں کو حق تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا جن میں پانچواں شخص وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو خالی مکان میں یا دیکھا پھر اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں، اور حدیث میں وارد ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبر پر کھڑے ہوئے تو اتنا روئے کہ ڈارٹھی تر ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو سینہ مبارک سے جوش کی آواز آتی تھی دیگ کے جوش کرنے کی طرح یعنی رونے کی ایسی آواز آتی تھی سینہ مبارک سے جیسے ہانڈی سن سن بولتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ دوزخ میں نہ داخل ہو گا وہ مرد جو رویا اللہ تعالیٰ کے خوف سے یہاں تک کہ دو وہ تھن میں واپس ہو جائے۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرد کثیر البکاء تھے، آنکھیں نہ تھمتی تھیں آنسوؤں سے جبکہ قرآن پڑھنے تھے۔

اور جبیر بن مطعم نے کہا کہ جب میں نے یہ آیت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سنی اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ تو گویا میرا قلب اڑ گیا خوف سے۔

قد مار اور متأخرین کے بکثرت اقوال اس امر پر تفرق ہیں کہ یہ ریاضات و مجاہدات مقصود نہیں، اصل مقصد درجہ احسان ہے اور اس کے حاصل کرنے کیلئے جس جس شخص میں جس جس مرض کا ظہور ہوتا رہا اُس کے مناسب علاج تجویز کرتے رہے اور ہر قوم کیلئے عادات، امراض مختلف ہوتے ہیں، اس کے مناسب مشائخ وقت علاج تجویز کرتے رہے جب بدعات کا شیوع زیادہ ہوا تو مشائخ نے بیعت کے وقت میں بدعات سے بچنے کا لفظ بھی بڑھا دیا، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ بیعت میں کہیں سوال نہ کر نیکا اضافہ فرما دیتے کہیں نوجہ نہ کر نیکا اضافہ فرمائیے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اصحاب کے حالات کے اعتباراً سے مختلف احکام ارشاد فرمائے۔ مشکوٰۃ ص ۱۲ میں حضرت سفیان بن عبد اللہ تقفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی جامع بات بتا دیجیے کہ پھر میں کسی سے نہ پوچھوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَمَنْتُ بِاللّٰهِ کہہ اور اسی پر پکارو۔ (ردہ مسلم) دوسری جگہ ص ۱۶ حضرت ابوامامہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری بُرائی تجھے رنجیدہ کرے تو تو مؤمن ہے۔ اور حضرت عمر بن عبد اللہ نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو فرمایا کہ الصَّبْرُ وَالسَّمَاخَةُ

(محشی نے سماحت کے مختلف معنی لکھے ہیں۔ واضح اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ جو چیز نہ ہو اُس پر صبر اور جو چیز موجود ہو اُس کی سخاوت کرے) اسی حدیث میں ہے کہ اُنہوں نے پوچھا کہ افضل ایمان کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا اچھی عادتیں اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہی سوال کیا کہ افضل ایمان کیا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کیلئے محبت کرو اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھو اور اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

دوسری جگہ (ص ۱۹۸) عبداللہ بن بسرؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ حضور! اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے ایک بات بتا دیجئے جسے میں مضبوط پکڑ لوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھو۔ دوسری جگہ (ص ۲۳۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کرنا، اُس نے بار بار یہی سوال کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی جواب دیا۔ دوسری جگہ (ص ۲۲۵) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت فرمائیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی نماز پڑھ جیسے یہی آخری نماز ہو، اور زبان سے ایسی بات نہ کہ جس پر پھر معذرت کرنی پڑے۔ اور جو کچھ دوسروں کے پاس ہو اُس پر اُمید مت باندھ۔

غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایات میں مختلف اشخاص کے احوال کے اعتبار سے اُن کے مناسب جواب دیئے گئے ہیں، اسی طرح مشائخ سلوک بھی ہر شخص کے اعتبار سے یا ہر جگہ کے اعتبار سے بیعت کرتے وقت

مختلف الفاظ کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

جن شہروں میں تعزیہ بنانے کا رواج ہے وہاں مشائخ سلوک نے تعزیہ بنانے سے بھی توبہ کا لفظ شامل کر دیا، علاج ظاہری میں بعض لوگوں کے مناسب گرم دوا میں ہوتی ہیں۔ بعض شہروں اور لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ٹھنڈی دوا میں مناسب ہوتی ہیں۔ ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں اور طبیب حاذق دوسنے مختلف تجویز کرتا ہے اور غرض ایک ہی ہوتی ہے یعنی مریض کی صحت۔ اسی طرح سے یونانی ڈاکٹری ہو میو پیٹھک وغیرہ کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور مقصود سب کا ازالہ مرض ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مشائخ سلوک میں حشمتہ نقشبندیہ وغیرہ حضرات کے احوال مختلف ہیں کہ وہ اپنے تجربات کے موافق علاج تجویز کرتے ہیں۔ اور جبکہ یہ ریاضات مجاہدات سب کے سب امراض کے علاج ہیں تو یہ مطالبہ کرنا کہ فلاں طریق قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے، ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طبیب سے پوچھا جائے کہ گل بنفشہ زکام میں دینا کس حدیث سے ثابت ہے۔ ایسے ہی کسی ڈاکٹر سے پوچھا جائے کہ پنسلین کونسی آیت سے ثابت ہے اور کونین کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ جب یہ طے ہو گیا کہ یہ شخص بیمار ہے تو اس کے علاج کیلئے طبیب یا ڈاکٹر تجویز کریگا اُس کا علاج ضروری ہوگا، بلکہ امراض ظاہریہ کی بعض صورتوں میں تو بعض علماء کے نزدیک ناخائز چیز کا استعمال بھی جائز ہے جب حاذق متدین طبیب یا ڈاکٹر کہدے کہ اس مرض کیلئے اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ اگر لقمہ اُسکا ہوا ہو اور کوئی چیز پینے کی نہ ہو سوائے شراب کے تو اسی سے نکلنا واجب ہے۔ یہی حال بعینہ امراض روحانیہ کا ہے کہ ان امراض کیلئے روحانی اطباء جو دوائیں تجویز کریں اُس پر یہ سوال کہ قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے حماقت نہیں تو او

کیا ہے۔ جو لوگ ان کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں۔ بدعت احداث فی الدین کا نام ہے احداث اللدین کا نام نہیں۔ جو لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ دین سے ناواقف ہیں۔ احداث اللدین بسا اوقات ضروری بلکہ واجب تک ہو جاتا ہے، جیسا کہ جہاد کے آلات کہ پہلے تیر تلوار کافی تھے مگر اب ان پر اکتفا کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ بندوق، توپ، ٹینک بلکہ ایسی آلات تک ضروری ہو گئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے ایک مکتوب میں جس کو تجلیات ربانی ص ۹۹ پر نقل کیا ہے تحریر فرماتے ہیں :-

”آپ نے اپنے پیروستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ) کی نسبت خاصہ کی عدم واقفیت کے بارے میں لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا۔ مخدوما! اس قسم کی باتیں بطریق تحریر بلکہ تقریر میں بھی مناسب نہیں ہیں، معلوم نہیں کسی کی سمجھ میں کیا آئے اور اس سے کیا نتیجہ نکالے۔ اس کیلئے حضور بشرط حسن ظن اور طول صحبت درکار ہے جس طور پر ہو مگر اس وجہ سے کہ کسی سول کا جواب بھی کچھ نہ کچھ چاہئے اس قدر لکھنا ہوں کہ ہر مقام کے علوم و معارف جدا گانہ ہیں اور احوال و مواجید علیحدہ ہیں کسی مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے، کسی مقام میں تلاوت و نماز، کوئی مقام مخصوص بجز ہے اور کوئی مخصوص بسلوک، کوئی مقام ایسا ہی کہ ان ہر دو دولتوں (جذب سلوک) سے مرکتبہ۔ ایک مقام وہ بھی ہے کہ جذب سلوک جدا ہے، نہ جذب کو اس سے تعلق نہ سلوک

کو۔ یہ مقام بہت ہی نادر ہے، اصحاب آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہیں۔ اس مقام کے حضرات کو امتیاز تام حاصل ہوتا ہے۔ ارباب مقامات دیگر سے کتر مشابہت رکھتے ہیں بخلاف اصحاب مقامات دیگر کہ وہ بائیکدگر مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ کسی حیثیت سے ہو۔ مشائخ سلاسل میں سے بہت کم حضرات نے اس مقام کی خبر دی ہے پھر بھلا اس کے معارف کا بیان کیونکر کیا جائے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ط اصحاب کرام کو یہ نسبت عزیز الوجود اول قدم میں ظاہر ہوتی تھی اور درجہ کمال کو پہنچتی تھی۔ دوسرے کو اگر اس دولت سے (قضا و قدر) مشرف کریں اور اصحاب کرام کی نسبت کے مطابق تربیت دیں تو وہ جذب سلوک کے منازل قطع کرنے اور علوم و معارف کے طے کرنے کے بعد اس دولت عظمیٰ سے سعادت یاب ہوگا۔ اس نسبت مخصوص کا ابتداء میں ظاہر ہونا مخصوص ہے برکت صحبت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ البشر یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کسی کو اس برکت سے مشرف کر دیا جائے اور اس کی صحبت بھی ابتداء میں اس نسبت علیہ کے ظہور کا سبب ہو جائے۔

ومن بعد هذا ما يدق صفاته

وما كتبه احظى لدية واجمل

(اس کے بعد وہ باتیں ہیں جن کا بیان دقیق ہے اور جن کا پوشیدہ

رکھنا زیادہ اچھا اور بہتر ہے) (تجلیات ربانی)

جیسا کہ امراض ظاہرہ کیلئے کسی طبیب کی ضرورت ہے اور کوئی شخص طب کی کتابیں دیکھ کر اپنا علاج نہیں کر سکتا اسی طرح امراض روحانیہ کیلئے طبیب کی ضرورت ہے۔ اور جیسا ظاہر شریعت میں مجتہدین بہت ہوئے ایسے ہی طریقت میں بھی مشائخ سلوک، اکابر سلوک بہت سے ہوئے مگر جیسا ظاہر شریعت میں ائمہ اربعہ پر انحصار ہو گیا بہت سے وجوہ کی بنا پر ایسے ہی ایسے ہی امراض باطنیہ کے معالج مشائخ بھی ہمارے اطراف میں چار سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ شائع ہوئے۔

شیخ کی ضرورت اور اس کے شرائط

اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے التکشف ص ۱۲۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ جاننا چاہئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کیلئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح اور تندرست ہو مرض نہ ہو اور دوسروں کے علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر مریض ہے تو مسئلہ طبیب ہے کہ دای العلیل علیل گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں اور اگر وہ صحیح اور تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح مرض باطنی کے علاج کیلئے ایسے شخص و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی اور صالح ہو، مبتدع اور فاسق نہ ہو، اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے کیونکہ اگر بد عقیدہ و بد عمل ہے تو اولاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ خیر خواہی سے تعلیم کرے گا، بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کرے گا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت کرے گا کہ خود اس کا عامل نہیں۔ یہی خیال ہو گا کہ اگر نصیحت کرونگا یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کیلئے اپنی بد عملی کو تاویل سے درست کرنا چاہے گا۔ تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اس کی تعلیم میں انوار اور برکات و تاثیر و امداد غیبی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر متقی اور صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو وہ بھی طالب کی رفع ضرورت نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب پڑھا ہو، کسی طبیب کا عمل کے پاس مدت معتد بہ تک مطب کیا ہو، سجدہ لوگ اس کی

طرف رجوع کرتے ہیں، اسکے ہاتھ سے لوگ شفا یاب بھی ہوتے ہوں۔ اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخ معتبر ہونے کی علامات یہ ہیں کہ کسی کامل کی خدمت میں ایک مدت تک مستفید ہوا ہو، اہل علم و اہل فہم اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں، اس کی صحبت سے محبت الہی کی زیادتی اور محبت دنیا کی کمی قلب میں محسوس ہوتی ہو، اس کے پاس رہنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنا لے اور اس کو اکسیر اعظم سمجھے اور اس کی زیارت و خدمت کو کبریت اہم جانے۔ پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخ کامل میں ہونا چاہئیں یہ ہے۔

متقی و صالح ہو، متبع سنت ہو، علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو، کبھی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدہ باطنی حاصل کیا ہو، عقلاء اور علماء اس کی طرف مائل ہوں، اس کی صحبت مؤثر ہو، اس سے مریدوں کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے قول جمیل میں مرشد کی شرائط اور بھی سخت لکھی ہیں جن کا خلاصہ شفاء العلیل سے لکھا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:-

بیعت لینے والے میں یعنی پیرو مرشد میں چند امور شرط ہیں۔ شرط اول علم قرآن اور حدیث کا، اور میری یہ مراد نہیں کہ پلے سرے کامرتبہ علم کا مشروط ہے، بلکہ قرآن میں اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیر مدارک یا جلالین یا ان کے سوا کوئی مختصر یا مفصل تفسیر محفوظ کر چکا ہو اور کسی عالم سے اس کو تحقیق کر لیا ہو۔ اور علم حدیث اتنا کافی ہے کہ ضبط اور تحقیق کر چکا ہو، مانند کتاب مصابح یا مشارق کے، اور فقہائے دین کی رائے معلوم کر چکا ہو۔ مترجم کہتے ہیں کہ یہ شرط اس لئے لگائی کہ

چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت مرتکب ہے، یعنی اس نے ترک اجماع کیا، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ پیری مریدی کے واسطے اتنا علم بھی قرآن و حدیث کا کافی ہے۔

آگے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مرشد کے عالم ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ غرض بیعت سے مرید کو امر کرنے میں مشروعات کا اور روکنا اس کو خلاف شرع سے اور اس کی رہنمائی طرف تسکین باطنی کے اور دُور کرنا بُری عادتوں کا اور حاصل کرنا صفات حمیدہ کا۔ پھر مرید کا عمل میں لانا اس کو جمیع امور مذکورہ میں۔ سو جو شخص عالم اور واقف ان امور سے نہیں ہوگا اس سے یہ کیونکر متصور ہوگا۔

مترجم فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا معاملہ بالعکس ہو گیا ہے، فقرا و جہان کو اس وقت یہ ضبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں، بلکہ علم درویشی کو مضر ہے، اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور۔ حالانکہ صوفیاء قدیم کی کتب اور ملفوظات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت عبدالقادر جیلانیؒ میں صاف مصرح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریق اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح و شام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا جاتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں۔

مولانا نواب قطب الدین خان صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ کتاب طریقِ محمدی میں لکھا ہے کہ سردار جماعت صوفیاء کرام اور امام ارباب طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے نہ یاد کیا قرآن اور نہ لکھی حدیث نہ پیروی کی جائے اس کی اس امر تصوف میں۔ اس لئے کہ علم ہمارا اور یہ مذہب ہمارا مقید ہے ساتھ

کتاب سنت کے۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جس طریقت کو رو کرے شریعت پس وہ نرا کفر ہے۔

اور فرمایا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے، "قصوف نام ہے تین چیزوں کا۔ ایک تو یہ کہ نہ بھجائے اس کا نور معرفت نور تقویٰ کو۔ دوسرا کلام کرے علم باطن کے ساتھ اس طرح کہ نقص کرے اسے ظاہر کتاب اللہ۔ تیسرے یہ کہ اُس کی کرامات کی وجہ سے اللہ کے محارم کی بے حرمتی ہوتی ہو" اور بہت سے اقوال بزرگان دین کے جامع التفسیر میں منقول ہیں۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مرشد ایسا ہو کہ جس نے متقی علماء کی بہت مدت تک صحبت اختیار کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حلال اور حرام کی تحقیق کرنے والا ہو اور قرآن و حدیث کے ادا و نواہی کو سن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے اقوال و افعال و حالات کو کتاب سنت کے موافق کر لیتا ہو تو امید ہے کہ اس قدر معلومات بھی اس کیلئے کافی ہوں۔ در صورت عدم علم (یعنی باقاعدہ عالم نہ ہونے کی صورت میں) اور مرشد کیلئے دوسری شرط عدالت اور تقویٰ ہے۔ تو واجب ہے کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ تقویٰ مرشد کا اس واسطے شرط ہو کہ بیعت مشروع ہے صفائے باطن کیلئے۔ انسان مجبور ہے اپنے ہم جنسوں کی اقتداء افعال پر اور صفائے باطن میں۔ فقط قول بد عمل کافی نہیں۔ سو جو مرشد کہ اعمال خیر سے متصف نہ ہو، فقط زبانی تقریر پر کفایت کرتا ہو تو وہ شخص حکمت بیعت کا رہزن ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ تارک دنیا ہو اور آخرت کا راغب ہو۔ محافظ ہو طاعات مؤکدہ کا

اور اذکار منقولہ کا جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ہمیشہ تعلق دل کا اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہو اور یادداشت کی مشق کامل اس کو حاصل ہو۔

• چوتھی شرط یہ ہے کہ مرشد مشروع کا امر کرتا ہو، خلاف شرع سے روکتا ہو، جو مستقل ہو اپنی رائے پر نہ کہ مرد بہر جانی۔ اور صاحب عقل کامل ہو تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مرشد کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو زمانہ دراز تک۔ اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ اور یہ یعنی صحبت کا مہین اس واسطے مشروط ہوئی کہ عادت الہی یوں جاری ہوتی ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور اسی قیاس پر ہیں اور پیشے، جیسے لوہاری بدون صحبت لوہار یا تجارتی بدون صحبت نجاکت نہیں آتی۔ اور شرط نہیں اس میں یعنی بیعت لینے میں ظہور کرامات اور خوارق عادات کا اور نہ ترک پیشہ وری کا اس واسطے کہ ظہور کرامات اور خوارق عادت فرہ ہے مجاہدات اور ریاضت کشی کا نہ شرط ہے کمال کی اور ترک اکتساب مخالف شرع ہے۔ اور دھوکہ نہ کھاؤ اس سے جو درویش مغلوب الاحوال کرتے ہیں یعنی جو صاحب حال بسبب غلبہ حال کے کسب حلال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں اُن کے فعل کو دلیل نہ پکڑنا ترک کسب پر۔ منقول تو یہی ہے کہ تقویٰ پر قناعت کرنا اور شہادت سے پرہیز کرنا یعنی مال مشتبہ اور پیشہ مکر اور مشتبہ سے بچنا ضروری ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ مرشد کیلئے یہ شرط نہیں کہ کمال ترہب اختیار کرے یعنی عبادت شاقہ اپنے اوپر لازم کرے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات جاگنا، عورتوں سے علیحدگی اختیار کرنا، طعام لذیذ نہ

کھانا، جنگل یا پہاڑوں پر رہنا جیسا کہ ہمارے زمانہ کے عوام اس کو کمال کی شرط سمجھتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ امور تشدد فی الدین اور تشدد علی النفس میں داخل ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت نہ پکڑو اپنی جانوں کو کہ اللہ تعالیٰ تم کو سخت پکڑ لیکھا اور فرمایا کہ رہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو شرائط لکھی ہیں وہ زیادہ سخت ہیں اور حضرت حکیم الامت نے جو شرائط لکھی ہیں وہ نرم ہیں۔ شاہ صاحب سے پہلے اکابر نے ان سے بھی زیادہ مجاہدات اور ریاضات کرائی ہیں اس کے بعد فرقہ عنایت فرمایا جیسا کہ بہت سے وقائع اکابر کے اس سلسلہ کے تواریخ میں مرقوم ہیں۔ شاہ ابو سعید صاحب گنگوہی کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ میرے کئی رسائل میں بھی آچکا ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ بیعت کیلئے شاہ نظام الدین بلخنی کی خدمت میں گئے۔ اور شاہ صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو صاحبزادہ کے استقبال کیلئے ایک منزل تک آئے اور وہاں پہنچ کر بہت زیادہ اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے وہاں پہنچ کر ان کو مسند پر بٹھایا اور خود خادموں کی جگہ بیٹھے۔ آخر جب شاہ ابو سعید نے واپسی کی اجازت چاہی تو شاہ صاحب نے بہت سی اشرفیاں نکریں۔ اس وقت شاہ ابو سعید نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کیلئے میں یہاں آیا، مجھے تو وہ دولت چاہیے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں۔ بس اتنا سنا تھا کہ شاہ نظام الدین آنکھ بدل گئے اور جھک کر کہا کہ جا کر طویلہ میں بیٹھو اور شکاری کتوں کے وانہ راتب کی خبر رکھو۔ غرض یہ کہ طویلہ میں شکاری کتے ان کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں کبھی حام جھکوا یا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے

پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہہ دیا گیا کہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کی جو کی دو روٹیاں و دونوں وقت گھر سے لادیا کرو۔ اب شاہ ابو سعید صاحب جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چاروں کی طرح دوڑ بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد حضرت شیخ نے ایک روز بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لچائے تو اس ویوانے کے پاس سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا کہ پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابو سعید پر پڑی۔ شاہ ابو سعید کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور فرمایا نہ ہوا گنگوہ۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے سنا یا، حضرت نے فرمایا ہاں ابھی بُو ہے صاحبزادگی کی۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اسکے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاطت شاہ ابو سعید پر ڈال کر سنے کہ جواب کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی، اس مرتبہ شاہ ابو سعید نے کچھ کلمہ زبان سے نہ نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گرون جھکا کر خاموش ہوئے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا ابھی کچھ بُو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ گوزر کا بھرا ہو تو گراؤ پھینک ہی دیجو کہ پاؤں تک بھر جائیں، چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابو سعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لئے گھبرائے اور گرا گرا کر کہنے لگے مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی، کمیس چوٹ تو نہیں لگی۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر توکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لامیں بھرووں۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے

اگر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلے مجھ ترس کھانے لگے اور لید بھر کر مرے
 ٹوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا بس اب کام ہو گیا۔ اسی دن شیخ نے خادم
 کی زبانی کہا بھیجا کہ آج شکار کوچلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ
 گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید کتوں کی زنجیر
 تھامے پابرباب ہوئے۔ کتے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے تواناں، اور ابوسعید
 بیچلے سوکھے بدن کمزور۔ اس لئے کتے ان سے سنبھالے سنبھلے نہ تھے۔ آخر انہوں
 نے زنجیر کر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کتے اُس پر لپکے۔ اب شاہ ابوسعید
 بیچلے گر گئے اور زمین پر گھسٹے اور کتے ان کو کھینچتے کھینچتے چلے جا رہے تھے۔ کہیں
 اینٹ لگی کہیں کنکر چھبی بدن سارا لہو لہان ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی جب
 دوسرے خدام نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپنے لگے کہ حضرت خضا
 ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی، کتوں کو روکا کیوں نہیں۔ شیخ کو تو امتحان
 مقصود تھا سو ہولیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس
 کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں نظام الدین میں نے تم سے اتنی کڑی
 محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔ صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین نے
 شاہ ابوسعید کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا
 فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان
 کو ہندوستان لئے جلتے ہو۔ مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجاز حقیقت بنا کر
 ہندوستان واپس کیا۔ قصہ تو بہت طویل ہے، میں نے مختصر لکھوایا۔ اول اس
 قسم کے بہت سے مجاہدات اس دور کے کتب تاریخ میں معروف ہیں مگر چونکہ
 زمانہ قوی جسمانیہ کے اعتبار سے بھی اور قوت ایمانیہ کے اعتبار سے بھی انحطاط

پر ہے اس لئے حضرت تھانویؒ کے بعد کے لوگوں نے اور بھی نرمی شروع کر دی۔
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد صحابہ کرام سے ہے کہ تم ایسے
 زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی چھوڑے تو ہلاک ہو جائے
 لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ مامور بہ کا دسواں حصہ بھی کوئی گئے
 تو نجات پالے۔ (مشکوٰۃ ص ۲)

صاحب مرقاة نے مامور بہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراد لیا،
 اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ مامورات کو شامل ہے اور نقصان سے مراد خشوع
 اور احسان کا نقصان ہے۔ ابو داؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا
 ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فاسخ ہوتا ہے اور اُس کیلئے اُس کا دسواں حصہ
 ثواب کا لکھا جاتا ہے، یہاں تک بعضوں کیلئے اُدھا لکھا جاتا ہے۔ یہ نقصان
 خشوع اور خضوع کا ہے۔ چونکہ دن بدن ضعف کا زمانہ بڑھتا رہتا ہے۔
 ایمان کے اعتبار سے بھی اور قوی کے اعتبار سے بھی اس لئے مشائخ مجاہدات
 اور ریاضات میں بھی کمی کرتے جا رہے ہیں اور شرائط شیخ میں بھی ڈھیلا پن
 کرتے جا رہے ہیں۔ مضمون تو بہت طویل ہے اور لکھوانے کو جی چاہ رہا ہے مگر
 پڑھیکا کون۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ علی میاں نے صوفی اقبال
 کے رسالے ”اکابر کا سلوک احسان“ کے شروع میں جو تمہید لکھی ہے وہ بھی بہت
 جامع ہے۔ اس لئے اس بحث کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:-

”مذہب، اخلاقیات، تعلیم و تربیت، اصلاح و تجدید،

علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں

ہیں، اور ان سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ ایک جبکہ وسائل

مقاصد بن جاتے ہیں، اور دوسرے جب اصطلاحات حقائق کیلئے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصد عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات مقاصد و حقائق کیلئے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پر ایک ضرورت کی تکمیل کیلئے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح زور دیا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے ان سے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا بھی حکم دیتا ہے اور وہ ان کا محکوم ہونے کی بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب سے آگے نہ بڑھنے پائیں کہ بجائے مفید سونیکے مضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سد راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔ لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ان مقاصد عالیہ کو یہ ابتلا بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پرے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بناء پر جو ان اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں، ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد و حقائق

ہی سے ایسی وحشت اور بیزاری پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی یا ان کو ان کے بائے میں مطمئن کر نیکی کو شش کی جاتی تو وسائل کے وہ پہاڑ ان کے سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے جن کے بائے میں خام اور غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا۔ اور ہر شخص سے ان کے بائے میں بیجا اصرار کیا تھا اور وہ ان ہی میں اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بائے میں دور ایسے نہیں ہو سکتیں اور جو بد ہیات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کیلئے حجاب بن گئیں جن کے بائے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانے میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کیلئے اور خاص مصالح کے تحت وضع کئے گئے تھے ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے نا آشنا تھے۔ انہوں نے ان حقائق کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کیلئے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کئے تھے صرف نحو، قواعد، زبان، علوم و بلاغت سے لیکر حقیقت و معرفت اصلاح باطن تزکیہ نفس تک جس کی تاریخ دیکھی جائے اور اس فن

کے متقدمین و متاخرین کا مقابلہ کیا جائے یہ حقیقت سب جگہ نظر آئے گی کہ متقدمین و مسائل پر حاکم متاخرین ان کے محکوم، محققین حقائق کے داعی و مبلغ اور غیر محقق پیر و اصطلاحات کے پرستار اور ان کے اسیر و گرفتار ہیں۔ یہ مقاصد عالیہ و نیات اور اخلاقیات اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ ان کے طالبین کے لئے امتحان و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دور میں پیش آیا ہے۔ تصوف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس کے مقصد و حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو ان ہی دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بے میں غلو اور افراط سے کام لینا دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بیجا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاق و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں؟ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں؟ فضائل سے آراستہ ہونا اور رزائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بغض اور کینہ، حب مال اور حب جاہ اور دوسرے اخلاق ذمیرے نجات پانا، نفس امارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ میں ضروری یا محسن ہے یا نہیں؟ نماز میں خشوع و خضوع، دعا میں تضرع و ابتهال کی کیفیت، محاسبہ نفس کی عادت اور سب سے بڑھ کر اللہ و رسول کی محبت، حسی علاوت لذت کا حصول یا کم از کم اس پر شوق و اہتمام، صفائی معاملات، صدق و امانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا،

غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجہ میں مطلوب ہے، یا نہیں تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب دیکھا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اگر کہا جائے کہ ان ہی صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنیے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائیگی اس لئے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض برخود علمبرداروں اور دعویداروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظہ میں اس وقت وہ واقعات ابھرتے ہیں جو ان کو مہمل کرنے پر بیان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے، لیکن یہ صرف تصوف ہی نہیں ہر علم و فن، ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اس کے حاملین و عاملین میں اور اس کے داعیوں اور دعویداروں میں اصلی و مصنوعی محقق و غیر محقق پختہ و خام بیان تک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت یا ہنر، ہر ایک میں کامل ناقص اور بہرہ ور بہزن دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن دین و دنیا کا نظام

اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

غواص کو مطلب ہے گرسے کہ صدقے

تصوف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جلتے ہیں ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دیدیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔ ہم نے اوپر جن مقاصد اور صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اس حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے تو اس کو قبول کرتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متأخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ سب چیزیں مخصوص ہیں واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی

ہے اور نہ زبان خلق کو جو نقارہ خدا کہی گئی ہے روکا جاسکتا ہے ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ و احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے۔ لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور کسی فن کی خصوصیت نہیں۔ علوم و فنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مرصعہ اصطلاحات سے پُر ہیں۔ محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور مسائل کو دلیل ہی کی حد تک رکھا۔ اسی طرح انہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح و مغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کیلئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہل تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر و لباب مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم و عادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہو گئی تھیں اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزو سمجھ لیا گیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب یا غنیۃ الطالبین یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صابہ کی مکتوبات امام ربانی ہو یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراطِ مستقیم، حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک قصد السبیل۔ ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ نسبت صوفیہ، کبریت احرارست و رسوم ایشان، بیچ نیرزد (صوفیہ کرام کی نسبت باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہو لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات، حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔ ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھ کر تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے ان میں ہم نے تصوف اور طریقت ہی کا نہیں، دین و شریعت کا لب لباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبویؐ کا پرتو، ان کے معاملات اور اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اُس کی تراز میں ٹکی ہوئی دیکھی، ان کو

ہمیشہ مقاصد و مسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا، رسوم سے بے پرواہ و بیگانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباع سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا۔ وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خدا داد بصیرت، طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل و حالات کا پورا لحاظ رکھتے۔ ان کی شان اس کے بلے میں مجتہد فن اطباء و اضعیٰ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور بے ہوئے سبق کا دوہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبط نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضا الہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبت شیخ حسی کہ بہت و ارادت کا اصل فائدہ ہے اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کنڈن کاہ بر آوردن کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق ہے

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است

حاصل خواجہ بجز پندار نیست فقط

علی میاں نے تصوف کے متعلق جو کچھ لکھا وہ بالکل صحیح لکھا اور بہت اکابر ہی لکھتے چلے آئے کہ اصل میں ان مسمیات سے تو کسی کو انکار نہیں صرف نام میں جھگڑا ہے۔

تصوف کے نام سے لوگ بدکتے ہیں بعضے ناواقفیت کی وجہ سے اور بعض اس وجہ سے کہ ان کے ذہن میں عوارض کی وجہ سے تصوف کا غلط مفہوم بیٹھا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں جو ساری تصوف ہی کے بارے میں ہے، لکھتے ہیں کہ لفظ صوفیاء و قرون ثلاثہ میں معروف نہیں تھا اس کے بعد اس کی شہرت ہوئی اور یہ لفظ بہت سے ائمہ اور شیوخ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جیسے امام احمد بن حنبل اور ابوسلیمان دارانی اور سفیان ثوری سے بھی نقل کیا گیا ہے اور حسن بصری سے بھی۔ اس میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ کس طرف منسوب ہے، یعنی اس کے اشتقاق میں کہ کس سے لیا گیا ہے۔ بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ صوف پینے کی طرف منسوب ہے، صوفیاء کی جماعت سب سے پہلے بصرہ سے ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے جس نے خانقاہ بنائی عبد الواحد بن زید کے مریدین..... اور عبد الواحد بن زید حسن بصری کے خلفاء میں تھے اور اس زمانہ میں بصرہ میں سب جگہوں سے زیادہ زہد، عبادت اور خوف خداوندی میں اہتمام پایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور تھا کہ نقہ کوئی ہے اور عبادت بصری ہے۔ پھر عباد اہل بصرہ کے متعدد قصبے لکھے جن میں قرآن پڑھنے سے بعض پرغشی طاری ہو جاتا اور بعضوں کا مرجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر اس زمانہ کے بعض اکابر نے انکار

بھی کیا بعضوں نے تو اس وجہ سے کہ اس کو تکلف سمجھا اور بعضوں نے اس وجہ سے کہ صحابہ بڑے دور میں یہ چیز نہیں پائی گئی۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ مغلوب الحال تھا تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی اگرچہ جو اپنے حال پر ثابت ہے وہ اس سے افضل ہے۔ حضرت امام احمد سے غشی اور وجد وغیرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید قطان پر ایک دفعہ قرآن پڑھا گیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ اگر کوئی شخص اس حالت کو اپنے سے دفع کر سکتا تھا تو یحییٰ بن سعید ضرر دفع کرتے کیونکہ ان سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا، اور امام شافعی سے بھی منقول ہے کہ خود ان پر یہ حالت طاری ہوئی، اور علی بن فضیل بن عیاض کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ حاصل یہ کہ اس قسم کے واقعات ایسے لوگوں سے کثرت سے ثابت ہیں جن کے صدق پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن صحابہ کے احوال جو قرآن میں مذکور ہیں، جیسے قلوب کا دہل جانا، آنسوؤں کا بہنا وغیرہ وغیرہ ان سے اونچے ہیں اور ان حالات پر وہ لوگ انکار کرتے ہیں جن کے قلوب میں قساوت ہے اور دلوں پر زنگ لگ چکے ہیں اور جن کو دین سے بے بعد ہے۔ یہ طبقہ تو بہت بڑا ہے اور اس کے بالمقابل بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے احوال سب سے اکمل اور اعلیٰ ہیں۔ اور یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں مبتلا ہیں بلکہ اس میں تین مرتبے ہیں۔ ایک تو حال ظالم النفس کا ہے جو قاسی القلب ہے جس کا دل قرآن کے سننے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم نہیں ہوتا اور یہ لوگ یہود کے مشابہ ہیں جن کے بارے میں اللہ جل شانہ نے نَحَرَ قَسَتْ قُلُوبَكُمْ الْآیۃ کہا ہے اور دوسرا طبقہ مؤمن متقی ہے لیکن ان کے قلوب میں ضعف ہے جو واردات کو برداشت نہیں کر سکتے، یہ لوگ بیہوش ہو جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں

اور یہ حالت وارد کی قوت اور قلب کے ضعف کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایسی باتیں امور دنیویہ میں بھی پیش آجاتی ہیں کہ بعض آدمی فرط خوشی سے یا فرط غم سے مر جاتا ہے یا پاگل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طرف سے کوتاہی نہیں ہوتی تو جو حالت ان پر پیش آتی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ان پر شک کرنے کی کوئی وجہ ہے جیسے کسی نے قرآن پاک جائز طریقہ سے سنا ہو اور کسی قسم کی زیادتی اس کی طرف سے پیش نہ آئی ہو ایسے میں قلب پر جو حالت طاری ہوتی ہے جس کو سکر اور فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس جیسے اور امور جن سے غیر اختیاری طور پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور ان سب چیزوں میں اگر ان کا سبب ناجائز نہ ہو تو یہ بے ہوشی مذموم نہیں ہے بلکہ معذور ہے۔

اس میں قول فیصل یہی ہے کہ یہ سب احوال اگر اس کے اسباب مشروع ہیں اور صاحب حال سچا ہے مگر اپنی حالت کو قابو میں رکھنے سے عاجز ہے تو یہ حالت محمود ہے اور غشی وغیرہ میں جو غیر اختیاری طور سے اس سے صادر ہوتی ہے اس میں معذور ہے۔ اور یہ لوگ ان سے زیادہ اکمل ہیں جو اس مرتبہ تک ضعف ایمان یا قساوت قلب وغیرہ اسباب کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔ لیکن وہ لوگ بھی عقل ذہل نہیں ہوتی حالانکہ ان کو یہی مرتبہ ایمان کا حاصل ہے تو وہ ان سے زیادہ اکمل اور افضل ہیں اور یہی حال صحابہؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لیگے اور وہاں ان کو کیا کیا دکھایا گیا، مگر صبح اس حال میں کی کہ کوئی تغیر نہیں تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے افضل تھا جو جبل طور پر تجلی سے غشی کھا گئے۔ بیشک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال بہت اونچا

اور جلیل القدر تھا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان سے بھی افضل و اکمل تھا۔ غرض یہ امور خوف وغیرہ کی زیادتی اذلاً بصرہ سے ظاہر ہوئے۔ اور یہ لوگ اکثر صوف پہنتے تھے۔ اس کی طرف منسوب کر کے ان کو صوفی کہنے لگے۔ لیکن ان کا طریقہ نہ صوف پہننے کے ساتھ مقید ہے نہ اس کو وہ واجب کہتے ہیں صرف ظاہر حال کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ پھر تصوف کے لئے ان کے لئے ان کے نزدیک حقائق ہیں اور احوال مشہورہ ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تعریفات میں اور صوفی کی سیرت وغیرہ میں بہت تفصیل لکھی ہے مثلاً بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو گندگی سے پاک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی فکر میں ڈوب گیا اور اس کے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہو گیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ تصوف معافی کو چھپانا اور دعاوی کو چھوڑنا ہے۔ اور ایسے ہی اور اقوال بھی ہیں۔ یہ لوگ صوفی سے صدیقی کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور انبیاءؑ کے بعد افضل الخلائق صدیقین ہیں۔

یہ تو تصوف کی اصل ہے، اس کے بعد لوگ مختلف ہو گئے اور تین طبقے بن گئے (۱) صوفیۃ الحقائق، ان کا حال تو تفصیل سے اوپر گذر چکا۔

(۲) صوفیۃ الارزاق، جو خانقاہوں میں رہتے ہیں ان میں بہت کم اہل حقائق ہوتے ہیں، لیکن تین شرطیں ان میں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ فرائض کو ادا کرتے ہوں اور محارم سے بچتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اہل طریق کے آداب سے متصف ہوں، جو اکثر شرعی آداب ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ ضرورت سے زائد دنیا کے ساتھ چٹھے ہوئے نہ ہوں۔ اور جو مال کو جمع کرے، اور اخلاق محمودہ سے متصف نہ ہو، یا فاسق ہو وہ ان میں شمار نہیں ہوتا۔ اور

(۳) تیسری قسم رسمی صوفیوں کی ہے جو صرف نام کے صوفی ہیں۔ ان کا مقصد اور منتہائے نظر صرف صوفیاء کا لباس پہننا اور نئے نئے طریقے گھڑنا وغیرہ وغیرہ ہے۔ اور یہ ایسے ہیں کہ جیسا کوئی جاہل علماء کا لباس پہن لے یا کوئی مجاہدین کا لباس پہن لے اور ان کے چند اقوال و اعمال یاد کر لے جس سے جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بھی صوفیاء میں ہے۔ حالانکہ وہ صوفیاء میں سے نہیں ہے۔ فقط مختصراً۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بسندہ یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مساکین اور نقرار کی محبت ہے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے جلسے میں قیامت میں۔ پس فقر تصوف کی ماہیت میں داخل ہے اور اسی پر اس کا مدار ہے۔

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا مدار تین خصلتوں پر ہے۔ فقر و احتیاج کو لازم کرنا۔ اور (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) خرچ کرنا اور ایثار کرنا اور دوسروں سے تعرض نہ کرنا اور اپنی پسندیدگی کو چھوڑ دینا۔ حضرت جنیدؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بلا واسطہ۔ اور حضرت معروف کرخیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف نام ہے حقائق کو پالینا اور دوسروں کے پاس جو ہو اس سے ناامید ہو جانا، لہذا جس کو فقر نہ ملے اس کا تصوف بھی محقق نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر بصری صحابہؒ کو پایا جو صوف پہنتے تھے۔

اشغال و احوال

اشغال میں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور جملہ اذکار میں سب سے اہم کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اسی لئے صوفیاء کے یہاں جملہ طرق میں اس کلمہ شریف کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے۔ ہیئت اور طریقہ ہر شیخ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے، جیسے اطباء کے یہاں دو اؤں کی ترکیب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مجھے اطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایا اور کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا اس نے اسی نسخہ کو باقی رکھا صرف اوزان اور ترتیب میں ذرا سا فرق کر دیا، بڑی حیرت ہے کہ دو ایسے بدستور، صرف ہیئت کے فرق سے نسخے کے اثر میں فرق پڑ گیا۔ اور یہ متعدد دفعہ مجھے تجربہ کرنے کی نوبت آئی۔

تذکرۃ الرشید ص ۱۱۱ میں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں، اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے۔ (حضرت تھانویؒ نے مولود کی تخصیصات کو مشائخ کے اشغال کی قیود و تخصیصات پر قیاس کیا تھا) خاص کر تم جیسے ہمیدہ آدمی سے کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکل ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صد ہا آیات و احادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے۔ اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالا وہ وہی ہے کہ جن کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس چیز کا مامور بہ ہونا اس وجہ کو ثابت ہے، اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جائے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض ٹوکہ ہو جاویگا اور بعض غیر ٹوکہ۔ لہذا ایک زمانہ میں صوم و صلوة و قرآن و اذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی دانی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال باقی قیود اگرچہ جائز ہے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اور اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہذا طبیبان ماطنی نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی و زیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہذا ایجاد بدعت نہ ہوا۔ بلکہ اگر کوئی ضروری کھدیوے تو بچا ہے۔ کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا۔ اور وہ مقصود مامور بہ تھا اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہونیں نہ بدعت۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ تم و تم جیسا کہ طبیب مہتمم سرمایہ ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے۔ اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ..... کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔

پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاویگا۔ بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔ دوسری نظر اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے جس کو جہاد کہتے ہیں بتأمل دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔

احادیث سے آپ کو معلوم ہے پور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تار پیڈ و گاوا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلیٰ کلمۃ اللہ بدون اس کے محال اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بنا سکے بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا۔ کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علیٰ هذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ فقط۔

اذکار میں سب اہم کلمۃ طیبہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرمائیے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کیا کہ میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو کہ مجھ ہی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رلھدی جائیں اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ کورکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے گا۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں کئی حدیثیں لا الہ الا اللہ کی فضیلت کی اور اہمیت کی ذکر کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔ حضرت جابرؓ سے منقول

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے۔
 ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں
 افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے
 دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چٹائی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اسی
 وجہ سے صوفیہ و عارفین اس کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سائے اذکار پر اس کو
 ترجیح دیتے ہیں اور اس کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر
 فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ
 ایمان کی تجدید کیسے کریں۔ ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔
 مشائخ سلوک اور اطباء روحانی، جسمانی طبیعوں کی طرح سے مختلف بیماریوں
 کو مختلف طریقوں سے اس کا ذکر بتاتے ہیں۔ مشائخ چشتیہ کے یہاں بارہ تسبیح
 کا ذکر بہت مشہور ہے۔ اس میں پہلے دو تسبیحیں لا الہ الا اللہ کی ہیں، چار تسبیحیں
 الا اللہ کی، پھر تین تسبیحیں اللہ اللہ کی اور آخر میں ایک تسبیح صرف اللہ کی۔
 حضرت تھانویؒ التکشف ص ۷۲ میں فرماتے ہیں۔

”صرف الا اللہ کے ذکر پر بعض کا یہ اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدون مستثنیٰ منہ
 اور عامل کے عبارت بے معنی ہے۔ ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر۔
 پس عبث ہوا پھر کیوں یہ اختیار کیا گیا۔ سو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح
 مکہ کے موقع پر خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس کا گھاس نہ کاٹا جائے اس پر حضرت
 عباسؓ کا یہ عرض کرنا کہ ”یا رسول اللہ الا الاذخر“ اس پر حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا ”الا الاذخر“ اس سے جواز حذف عامل مستثنیٰ منہ کا

وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے۔ پس الا اللہ میں بھی اس قرینہ سے کہ اس
 قبل لا الہ الا اللہ کا ذکر ہو چکا ہے یا بقرینہ عقیدہ ذاکر کے مستثنیٰ منہ عامل محذوف
 کر دیا تو کیا حرج ہے۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جو لا الہ الا اللہ
 کہا گیا ہے اس میں صرف الا اللہ کو مکرر لایا گیا اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد
 ہوگا، اور تاکید کیلئے جو تکرار کیا جاتا ہے، کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں جس قدر
 اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن اور مقتضائے مقام ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں بعض
 مضامین کی نسبت ہے ما زال یکررہا حتی وددنا انہ سکت او نحوه
 (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ہمارا جی پاتا ہوا
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے۔)

احادیث میں کثرت سے اس کی نظائر موجود ہیں حضرت اسامہؓ کے ایک
 آدمی کے قتل کرنے کے قصہ میں جس کو انھوں نے منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا،
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار یوں فرمانا کہ قیامت میں جب لا الہ الا اللہ
 لایگا تو اس کا کیا جواب دو گے، بار بار اس کو فرمایا (مشکوٰۃ ص ۲۹۹)

مشکوٰۃ میں کتاب الجہاد ص ۳۳۳ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندے
 کے سو درجے بلند فرما دیگا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا
 کہ آسمان و زمین کے درمیان، صحابی نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو حضور اقدس
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ، الجہاد
 فی سبیل اللہ، الجہاد فی سبیل اللہ تین مرتبہ۔ سینکڑوں حدیثیں
 کتب حدیث میں موجود ہیں جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں سے مخفی نہیں ہیں

جن میں ایک ہی لفظ کا تکرار کیا گیا ہے۔

اسی طرح لفظ اللہ اللہ پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو، پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ؟ مگر حدیث میں خود اسی آیت کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں۔ اگر اس سے تبرک استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا؟ ارشاد خداوندی واذکر اسم ربك ظاهراً لعلنا نسمع منک اور محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔ نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ صرف ندا محذوف ہو اور حذف ندا شائع اور مشہور ہے۔ یہ ندا شوق اور نام کے ساتھ تلذذ کی وجہ سے ہوئی ہے (التکشف ص ۳۷)

اور حضرت تھانویؒ نے بوا در میں لکھا ہے کہ اس باب میں قول محقق جو تکلف سے بعید ہے یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں کبھی تو تلاوت مقصود ہوتی ہے اور اس وقت اس کے طریقی کا منقول ہونا شرط ہے اور غیر منقول کا اختیار کرنا بدعت۔ اور کبھی محض ذہن اور حافظہ میں اس کا استحضار اور راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اس میں اتباع منقول کا کرنا لازم نہیں مثلاً ایک شخص ایک ایک مفرد کا تکرار کر کے یاد کرتا ہے، ایک شخص ایک ایک جملہ کا، ایک شخص ایک ایک آیت کا، یہ سب جائز ہے۔ اس کاوش کی ضرورت نہیں کہ اس میں سلف

کا کیا طریق تھا اسی طرح عبادت ذکر سے کبھی خود ذکر مقصود بالذات ہوتا ہے اس ہیئت کا منقول ہونا شرط ہے اور کبھی ذہن میں کسی خاص مطلوب کا استحضار اور رسوخ مطلوب ہوتا ہے جس سے اس عبادت کا تعلق ہو اس میں اس ہیئت کا منقول ہونا شرط نہیں پس الا اللہ اور اسم جلالہ کے تکرار معتاد مقصود بالذات ذکر نہیں بلکہ ایک خاص مطلوب کا استحضار مقصود ہے اور وہ خاص مطلوب فنائے علمی غیر اللہ اور توجہ الی اللہ میں تدریجاً ترقی کرنا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں کثرت مشہود ہوتی ہے اس لئے لا الہ الا اللہ سے اس مشہود کی نفی کر کے اس کو راسخ کیا۔ پھر جب اس نفی میں ایک درجہ گویا کامیابی ہو گئی تو محض ثبوت ذات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے الا اللہ کا تکرار کیا۔ پھر ثبوت بھی ایک نسبت حکمیہ تھی، اس سے بھی نظر اٹھا کر صرف ذات کا تصور ذہن میں راسخ کرنے کیلئے اسم جلالہ کا تکرار کیا جس کی مزاولت سے قلب میں غیر مطلوب سے بے التفاتی اور حضرت مطلوب کی طرف خالص التفات میں بلکہ راسخ ہو کر پھر ذکر کامل کا حق ادا کر کے خوب مقصود حاصل کر آئے گا۔

بفضلہ تعالیٰ اس تقریر سے سب اشکالات رفع ہو گئے اور اس کے بدعت ہونے کے حکم کا قلت تدریج سے ناشی ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمد لله علی ما القی وافہم ولقن والہم۔

اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ تو کیا اس صورت میں اس طریقے سے ذکر کرنے سے ثواب نہ ملیگا۔ اس کے جواب میں ہم پوچھیں گے کہ کیا جو شخص قرآن یاد کرنے کیلئے ایک ایک لفظ کا تکرار کر رہا ہے اس کو اس یاد کرنے سے ثواب

پاسِ آنفاس

پاسِ آنفاس بھی مشائخِ سلوک کے یہاں اہم اشغال میں ہے جس میں سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخِ سلوک کے یہاں متعارف ہیں۔ عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیے لیکن اتنا سب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہوگا۔ مشائخِ سلوک کی تعلیمات میں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

شفار العلیل ص ۵۷ میں لکھا ہے کہ طریقت کے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس کا بڑا اثر ہے نفسِ خطرات میں اور دوسوا اس کے دور ہو جانے میں چنانچہ کسی عارف نے فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو پاسِ آنفاس کا اہتمام کرے تو تجھے یہ بادشاہ تک پہنچا دیگا۔ ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیے اور بغیر پاسِ آنفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا..... چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے بالکل پاک کر کے انوار اللہ کا مہبط بنا دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں جاروبِ قلب کہتے ہیں۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ مکتوبات ج ۱ ص ۹۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

” پاسِ آنفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ نہ اندر جانے والا سانس

میلیگا۔ جو اس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے۔ اور قواعد پر نظر کرنے دونوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ گو تلاوت و ذکر کا ثواب نہ ملے، لیکن تلاوتِ کاملہ کیلئے سعی و تیاری کرنے کا اور ذکرِ کامل کیلئے سعی و تیاری کرنیکا ثواب ملے گا۔ فقط۔

نہ باہر نکلنے والا سانس . انسان دن رات میں تقصیر کیا
 پچتیس ہزار سانس لیتا ہے (ارشاد مرشد میں جو تیس ہزار
 لکھا ہے) سب سے کم عمر ہے . عمر عزیز کا جو حصہ بھی
 ذکر میں گزے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے . حدیث میں
 باب صفة الجنة و اهلها میں طویل حدیث میں اہل جنت
 کے اصول ذکر کر کے لکھا ہے کہ وہ تسبیح و تحمید کا ایسا الہام
 کئے جائیں گے جیسے بلا اختیار تم کو سانس آتا ہے محشی نے
 مرقاة سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرات تسبیح تہلیل سے نہ تھکیں گے
 جیسے تم سانس سے نہیں تھکتے ہو اور جیسے سانس لیتے ہوئے
 دوسرے حکام میں رکاوٹ نہیں ہوتی ہے . یا یہ مطلب ہے
 کہ ذکر ان کی صفت لازم بن جائیگی جیسا کہ سانس زندگی
 کیلئے صفت لازم ہے (مشکوٰۃ ص ۲۹۶)

۱۷۰ تصویر شیخ

اسی کو شغل رابطہ بھی کہتے ہیں اور برزخ اور واسطہ بھی کہتے
 ہیں (تعلیم الدین) یہ مشائخ سلوک کے یہاں بہت اہم اشغال میں ہے
 مشائخ نے بہت سے فوائد اس کے تحریر کئے ہیں . بعض اکابر نے اس کو
 مطلقاً ناجائز کہا ہے . یہ تو بندہ کے نزدیک صحیح نہیں . اس لئے کہ بہت سی
 احادیث سے تصویر شیخ مستفاد ہوتا ہے . اس لئے جو حضرات اس کو مطلقاً
 ناجائز کہتے ہیں وہ تو میری سمجھ میں نہیں آیا . محرم کے خوشبو لگانے کے بارے
 میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کافی انظر الی و بیص الطیب فی
 مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . گویا میں اس وقت
 خوشبو کی چمک کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی
 ہوں . حضرت ابن مسعودؓ کی روایت جس کو التکشف ص ۶۷ میں بخاری
 و مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کافی انظر
 الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وہ فرماتے ہیں کہ یہ
 گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں
 سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا الخ . ابو داؤد میں باب
 ماجاء فی خاتم الحدید میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو اللھم اھدنی و سدّدنی اور جب
 ہدایت کا لفظ کہا کرو تو راستہ کی ہدایت کا تصور کیا کرو اور جب سدّدنی

کہا کہ تو تیرے سیدھا ہونے کا تصور کیا کرو، سیدی و مرشدی اس کی شرح بذل الجہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں ہدایت طریق سے تصور کیا کر جیسا چلنے والا سیدھا راستہ میں چلتا ہے اور دائیں بائیں نہیں مڑتا، اگر مڑ جائے تو مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ہدایت میں تصور کرو کہ مقصد تک پہنچنا سیدھے چلنے پر موقوف ہے، اور سدا کے لفظ سے تیر کا سیدھا ہونا تصور کیا کر کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے سیدھا کر دیں کہ ذرا بھی مجھ میں ٹیڑھاپن نہ ہے۔ اور حضرت گنگوہی کی تقریر ابوداؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کا اس لئے حکم فرمایا کہ خیالات منتشر نہ ہوں۔ نیز محسوسات میں تفکر کرنا معقولات میں تصور کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے وقت راستہ اور تیر کے سیدھا پن کو اس لئے فرمایا تاکہ اس کے دل میں او زخراط نہ آویں۔ اور اس میں تصور شیخ کے جواز کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ شیخ کا مرتبہ اللہ کے نزدیک تیر سے کیا گزرا نہیں۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ تصور کرنے کے وقت شیخ کی محبت دل میں آجائے۔ ہاں البتہ یہ مضر ہوگا۔ اگر تصور کرتے وقت شیخ کو امر باطن میں متصرف تصور کرے یا یہ سمجھے کہ وہ حاضر ہے یا یہ سمجھے کہ شیخ کو اس کا حال معلوم ہے۔ اسی واسطے مشائخ میں تصور شیخ کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف نزاع لفظی ہے جس نے جائز بتایا اس کی مراد پہلا درجہ ہے اور جس نے ناجائز بتایا اس کی مراد دوسرا درجہ ہے، یعنی شیخ کو حاضر ناظر سمجھنا۔ لیکن متاخرین علما نے جب دیکھا کہ یہ عوام کے فساد عقیدہ تک پہنچ جاتا ہے تو مطلقاً منع کر دیا اور یہی حق ہے حالات کے اعتبار سے۔ فقط۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایات اس مضمون کی ہیں۔ حیاۃ الصغریٰ صفحہ ۲ میں باب حقیقۃ الایمان میں ہے کہ حضرت حارث بن مالک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ مؤمن حق ہونے کی حالت میں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حقیقت ہے تمہارا ایمان حق کی؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے منہ پھیر لیا۔ اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں، اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں، اور گویا میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے۔ دوسری روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے صبح ایمان کی حالت میں کی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جب صبح کرتا ہوں تو شام کی امید نہیں ہوتی اور گویا میں دیکھتا ہوں ہر امت کو کہ گھٹنوں کے بل پڑی ہے اور اپنی کتاب کی طرف بلائی جا رہی ہے اور ان کے ساتھ ان کا نبی بھی ہے اور وہ بُت بھی ہیں جن کو وہ پوجا کرتے تھے، اور گویا میں جہنم والوں کے عذاب اور جنت والوں کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔

شمال ص ۲ میں حضرت عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ سُرُخ جوڑا تھا گویا اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پنڈلیوں کی چمک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اسی طرح حضرت انس کی روایت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بائے میں ہے کہ گویا جس کی سفیدی اب بھی میری نظر کے سامنے پھر رہی ہے۔
سینکڑوں روایات تصور سے متعلق کتب حدیث میں موجود ہیں اس لئے مطلقاً تصور شیخ کو ناجائز کہنا تو مشکل ہے البتہ یہ اگر مفضی ہو جائے کسی غیر مشروع امر کی طرف تو پھر اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ ورنہ دفع خطرات کیلئے یا عشق مجازی میں پھنسے ہوئے کیلئے تصور شیخ اکسیر اعظم ہے۔
تعلیم الدین ص ۱۶ میں لکھا ہے کہ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے کیسوی میسر ہو جاتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اس میں جو کچھ حکمت اور فائدہ ہو راقم (حضرت تھانوی) کا تجربہ ہے کہ شیغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی واسطے امام غزالی وغیرہ محققین نے عوام اور انبیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچانا چاہیے اور خواص اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مشابہہ رو برو حاضر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ فطری اس شکل متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اس مقام پر اکثر

ماداقف لوگوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔ انتہی۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے مکتوبات ص ۳۳ میں ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے :-
”تصور شیخ دوسرے اور پریشان خیالات سے بچانے کے تصور شیخ سے عجیب غریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ وہ مرید کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچانا چاہے نہ اس کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہ فطری مؤثرات ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسوں کے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے اور برکات بزدانی کے نزول کا باعث گردانے چوتھے عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لئے حکمائے اُمت نے اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے“ ۱۵۔

حضرت مدنی دوسرے مکتوب ص ۱۶ ص ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”شغل برزخ کو اگرچہ شاہ اسمعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے صمداً للذریعہ منع فرمایا ہے مگر حضرت شاہ عبدالغنی مجد دی سے مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اس کو منع نہیں فرماتے تھے۔ ان سے بعض حضرات نے اس کے جواز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے امام حسن کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جس میں حضرت حسن نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالد سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپے پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ میں ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضاء اور رنگ وغیرہ) کی بابت دریافت کرتا رہا تھا، اتعلق بہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے۔“ اھ۔
یہ حدیث شمائل ترمذی میں بہت مفصل موجود ہے جسے ترجمہ دیکھنا ہواں
ناکارہ کار سالہ خصائل نبوی“ دیکھے، اس کے فوائد میں لکھا ہے :-

”مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے
سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے محبت اور سند
بناؤں اور ان اوصاف جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے
اند پر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔“

حضرت مدنیؒ نے مکتوبات ۸۳ میں دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے کہ :-
”کسی صورت کو ذہن میں جملنے اور حاصل کرنے کو لغت میں تصور

کہتے ہیں، خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی، خواہ معمولی شخص
کی ہو یا غیر معمولی شخص کی، کسی بزرگ اور ولی کی ہو یا اپنے مرشد، باپ
ماں کی، خواہ اس صورت سے نفع کی امید ہو یا نہ ہو مگر عرف میں تصور شیخ
کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جملنے
کا نام ہے۔ بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جملنے
اور حاصل کرنے کو تصور شیخ کہتے ہیں۔ ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور
تمثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے۔ صحابہ
کرامؓ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے حضرت
امام حسنؑ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثال اور سراپا کو اپنے
ماموں ہند بن ابی ہاشم سے بار بار پوچھا کہ اپنے ذہن میں جمایا ہے۔ اور

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ
حضرت عیسیٰ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل و صورت اور لباس
وغیرہ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں تمشل اور جگہ
دینا مقصود ہے۔“

اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ، نقشہ وغیرہ ذکر
فرمایا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں وارد ہے کہ :-
”..... وہ گندمی رنگ، گھنگھریالے بالوں والے، سُرخ
اُونٹ پر گویا میں اس وقت اُن کو دیکھ رہا ہوں کہ وادی میں اتر
رہے ہیں۔“

متعدد روایات نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ اس قسم کی روایات صحیح میں بکثرت
ہیں جن سے نہ صرف تصور شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت
بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شارع
علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی۔ ان ہی منافع
کی وجہ سے زمانہ سابق میں اہل فراست اور مقدس حضرات نے تصور شیخ کو معمول
قرار دیا اور مقدس سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

حضرت قطب العالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز
اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو تحریر فرماتے ہیں (اصل خط
فارسی میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے) :-

”اگر فرصت ہو تو نماز صبح یا مغرب یا عشاء کے بعد علیحدہ کسی حجرہ وغیرہ میں بیٹھیں اور دل کو تمام خیالات سے خالی کر کے اس طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ گویا اپنے شیخ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور فیضان الہی شیخ کے سینہ سے میرے سینہ میں آرہا ہے۔ اگر دل لگے اور ذوق و شوق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ذکر نفی و اثبات میں جہد متوسط کے ساتھ مشغول ہو جائیں۔ ایک دو گھنٹہ کم زیادہ شیغل رکھیں“

نیز ایک دوسرے والا نامہ میں حضرت نانوتویؒ کو لکھتے ہیں (یہ بھی اصل خط فارسی میں ہے) :-

”اگر صبح یا مغرب کی نماز کے بعد فرصت ہو تو لمحہ دو لمحہ مراقبہ میں اور ایسا خیال کریں کہ گویا اپنے مرشد کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور مرشد کے قلب سے میرے قلب میں کوئی چیز آرہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ادھر (یعنی حاجی صاحبؒ کی طرف سے بھی آپ کی جانب توجہ ہوگی۔ اگر فضل الہی شامل حال ہوا تو فائدہ ہوگا، اطمینان رکھیں“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ قول جمیل میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم دل کا لگانا اور کانٹھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کا ملاحظہ کرنا۔ میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیر ہیں، سو نہیں کوئی عابد غیبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا مبعوس ہو گیا ہے بحسب مرتبہ اس کے اور اس کے بھید کے سب سے رو بقبلہ ہونا اور

استواء علی العرش کا شرع میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوڑے، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں تو اسے سالک تجھ پر کچھ مضائقہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اسی سے اگرچہ ہر عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی کے نور کا تصور کر کے چلو جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا مرقبہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم“

پھر آگے طویل کلام کے بعد حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں :-

”یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری اور مٹھرنٹاؤج قویہ جلا آتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملانی اختیار کیں جو کہ ضرورینے والی اور صراط مستقیم کی دور کرنے والی ہیں“

اس کے بعد حضرت نے فناوی رشیدیہ سے چار پانچ فتاویٰ اور حضرت نانوتویؒ کے چند مکاتیب نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے :-

”خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ہے :- محتاج بیان نہیں ہے اور چونکہ تصور شیخ کی تاثیر اس امر میں بہت

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغان گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلت

توسید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کہ لونگیا یہ تو معصیت نہیں بلکہ شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ سن کر ان کو گلے سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت لے چلیں گے۔ تم کو طریق ولایت سے مناسبت نہیں ہے۔ اس شعر کے متعلق آپ بیٹی میں ایک قصہ لکھا ہے جو میں نے اپنے اکابر سے سنا ہے، شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ ”جا، نماز کو شراب سے رنگین کر لے، اگر پیر مغان حکم دے کہ سالک بے خبر نہیں ہوتا منزلوں کے راستے سے“

اس شعر کے متعلق ایک شاگرد نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے مطلب پوچھا۔ اول تو حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے پڑھنے پڑھانے میں لگو تمہیں ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ مگر جب اس نے اصرار کیا تو حضرت نے اپنے پاس سے دس روپے بیئے اور فرمایا کہ فلاں سرٹے میں چلے جاؤ اور خواجہ سرٹے سے معلوم کر لو کہ کوئی لڑکی خالی ہے یا نہیں۔ اول تو مولوی صاحب بہت سوچ میں پڑے مگر چونکہ خود ہی استفسار کیا تھا اس لئے تعبیل حکم میں گئے، خواجہ سرٹے نے کہا کہ ایک بہت حسین لڑکی ابھی آئی ہے فلاں کو ٹھہری میں ہے اس سے میں بات کر کے آتا ہوں۔ وہ گیا اور اس سے کہہ کر اس کو راضی کر کے آکر کہدیا کہ رات کو آجائیں۔ یہ رات کو پہنچے تو وہ لڑکی نہایت سرسبز تھی، بیٹھی رو رہی تھی۔ یہ بہت حیرت میں پڑ گئے۔ انہوں نے بہت زیادہ اصرار سے کہا کہ میں نے کوئی جبر نہیں کیا، کوئی زبردستی نہیں کی، مگر وہ ہچکیاں مار کر رونے لگی۔ یہ مولوی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد اس عورت نے

در جہر بنید ہے اس لئے تیر اور نسوس نے اکابر امت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ امت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ تاہم چونکہ متاخرن غلط کاروں نے اس میں مخطورات اور ناجائز اشیا داخل کر دیں، مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد کر لیا اس کے تصورات تو جہ الی شیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائے یا شیخ کو مثل کعبہ پر نماز میں نما۔ اور متوجہ الیہ خائینا یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشیوں یا احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے، اس لئے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرماویں اور ذریعہ شرک اور کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ بہر حال یہ عمل مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے۔ فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور و فکر اور سوچ مجھ سے کام لینا چاہئے“ واللہ اعلم

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء

ارواح ثلاثہ میں حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات میں لکھا ہے کہ سید صاحب راتے بریلوی جب شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تھے تو شاہ صاحب نے شغل رابطہ بتایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرما دیا اس پر شاہ صاحب نے فرمایا

بتایا کہ میں تم رسیدہ ہوں، مطلوب ہوں، کئی دن کا فاقہ ہے، پاؤں پھر رہی ہوں، میرا خاوند مجھے چھوڑ کر چلا آیا، ان کا کہیں پتہ نہیں چلا، دو تین ماہ سے ان کی تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ اُس نے خاوند کا نام پوچھا، جگہ پوچھی معلوم ہوا کہ اس کے خاوند یہی مولوی صاحب تھے۔ اُنھوں نے کہا ذرا منہ کھول کر سر اٹھا۔ جب اُس نے سر اٹھایا تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا کہ علم کے شوق میں گھر سے چھپ کر بھاگ آئے تھے۔ رات بھر مولوی صاحب نے وہاں قیام کیا۔ صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت شعر بالکل سچ ہے۔

اس نوع کے اور بھی میرے اکابر سے قصے سنئے ہوئے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ کئے والا واقعی پیرِ مغان..... اور جامع شریعت و طریقت ہو، واقف رموز اسرار، آہی ہو۔ ہر مدعی بزرگی کا یہ کام نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہ دوں؟ عرض کیا گیا فرمائیے۔ پھر فرمایا کہ کہ دوں؟ عرض کیا گیا فرمائیے، پھر فرمایا کہ کہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے! تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے اُن سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا تو فرمایا کہ کہ دوں؟ عرض کیا گیا ضرور فرمائیے! فرمایا کہ اتنے سال (ناقل کو مقدار یا وہ نہیں رہی کہ خانصاحب نے کتنی بتائی تھی) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں ہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا کہ اور کہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس

بہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ تھا نوئی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-
”بار بار استفسار فرمانا کہ کہ دوں، امتحان و اشتیاق و اہلیتِ مخاطب کیلئے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے..... اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اس لئے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایک بار سوال کرنا اس لئے کہ طلب کے بعد حصول اوتنع فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تنجیل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرق عادت کے روح کا مثل شکل جسد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کے ساتھ حاضر و ناظر ہونیکے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس بہنے دو، اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبہ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اس مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اس وقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہل ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اسکی تعلیم ہے کہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبہ غیر مقصود اور حال ہیں شتان ما بینہما اور اگر یہ اس کی تفسیر نہیں ہے تو اس کا انحصار فرمایا۔ شاید افہام عامہ اس کے متحمل نہ ہوتے شاید تجلیات ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اس کی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسا صوفیاء کے ایسے اسرار میں اہل ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں۔“

کشف صدر کشف قبور

کشف، مشائخ سلوک کو بہت کثرت سے ہوتا ہے جو بسا اوقات تو مجاہدات پر متفرغ ہوتا ہے اور بسا اوقات وہی ہوتا ہے۔ جو مجاہدات پر موقوف ہوتا ہے وہ تصوف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مجاہدہ اور ریاضتاً کرنے والے کو کشف ہونے لگتا ہے اسی لئے مشائخ کے یہاں اس کو کچھ اہمیت نہیں بلکہ ناقابل التفات ہے بلکہ مشائخ بسا اوقات اپنے مریدوں کو جب کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے تو مجاہدات اور ریاضات وغیرہ سے روک دیتے ہیں۔

آپ بیتی میں کہیں لکھوا چکا ہوں کہ میرے ایک مخلص دوست مولوی عبدالرحمن گنگوہی جو گنگوہہ میں میرے والد صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے اور جب ۱۳۲۸ھ میں میرے والد صاحب مستقل مظاہر علوم میں آگئے تو یہ مخصوص طلبہ بھی آگئے۔ انھوں نے دورہ حدیث کی کتابیں مظاہر علوم میں پڑھیں اور میرے حضرت قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ معمولات کے بہت پابند تھے۔ شملہ کے قریب کسولی کی ایک مسجد میں امام تھے اور وہاں بچوں کو بھی پڑھا پکارتے تھے۔ اُس وقت چونکہ حضرت کی ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا، خطوط میں ان کے حالات بہت اونچے معلوم ہوتے تھے۔ ایک خط میں مرحوم نے اپنے بہت سے مکاشفات عجائبات ذکر کئے ہیں تو سمجھ رہا تھا کہ اس خط کے جواب میں حضرت اُن کو بیعت کی اجازت دینگے مگر حضرت نور اللہ مرقدہ نے اُن کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ فرانس اور سنن موکدہ کے علاوہ سب اذکار و

اشغال چھوڑ دو۔

میرے اکابر نور اللہ مرقدہ مکاشفات کو اگر وہ وہی بھی ہوں تب بھی مانع عن الطریق سمجھا کرتے تھے۔ میرے حضرت کا ارشاد تھا کہ یہ ایسا ہے جیسے راستہ چلتے راستہ میں دائیں بائیں باغیچے، پھول پھلوا ری نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے دیکھنے اور مزالینے میں لگ جائے تو راستہ قطع نہیں ہوگا یعنی مقصود تک پہنچنے میں دیر لگے گی۔ اسی لئے میرے اکابر عام طور سے ان کشف کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے۔ میرے اکابر میں بھی دونوں قسم کے اکابر گزرتے ہیں۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کو کشف بہت کم ہوتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کا مقولہ کسی دفعہ کا سنا ہوا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی گود میں بھی بیٹھ جاؤں تو مجھے ڈر نہیں لگتا اور شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے بھی ڈر لگے کہ نہ معلوم کیا کیا منکشف ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت قطب عالم گنگوہیؒ کے خدام میں بھی دونوں طرح کی مثالیں متعدد سننے میں آئی ہیں۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ انہٹوی کو کشف بہت ہوتے تھے اور میرے حضرت کو زیار، نہیں جس کے متعلق متعدد مکاتیب مکاتیب رشیدیہ میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں مگر اکثر چونکہ یہ چیز مجاہدوں سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً چلڈ کش، جس دم وغیرہ۔ اس لئے بھی اکابر سلوک کے نزدیک یہ سلوک کا مدار نہیں، لیکن شریعت مطہرہ کے خلاف بھی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزرنا اور اُن سے عذابِ قبر کی آواز سننا جو پیشاب اور چپا خوری سے ہو رہا تھا۔ مشہور حدیث ہے، حدیث

سب کتابوں میں منقول ہے مشکوٰۃ میں باب اثبات عذاب القبر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک خیر پر سوار تھے کہ ایک دم وہ سواری بدکی اور قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانیے۔ وہاں پانچ چھ قبریں بھی تھیں جن میں عذاب ہو رہا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا نہ چھوڑ دو، ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آواز سنوائے جو میں سن رہا ہوں۔ اور حضرت سعد بن معاذ کی قبر کے تنگ ہونے کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اس مرد صالح پر قبر ایسی تنگ ہوئی کہ پٹیاں پسلیاں ایک ہو گئیں پھر اللہ تعالیٰ نے (ہماری تسبیح و تکبیر سے) کشادہ فرمایا۔ مشکوٰۃ ہی میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے ایک جگہ خیمہ لگایا، انھیں پتہ نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک وہاں ایک آدمی کی آواز سنی کہ سورہ تبارک الذی اُس نے اخیر تک پڑھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ تبارک الذی عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔ حیاۃ الصحابہ میں ایک طویل قصہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان بڑا عابد زاہد تھا۔ مسجد میں اکثر باکرتا تھا، عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر گیا جہاں اُس کا بوڑھا باپ تھا۔ راستہ میں ایک حسین کے ساتھ آنکھیں چار ہو گئیں۔ ایک عورت کو اس سے عشق ہو گیا، وہ عورت ہمیشہ راستہ میں کھڑی رہا کرتی۔ ایک دن عورت نے اُس کو بہکایا، وہ بھی ساتھ ہو لیا، او دروازہ پر پہنچ کر جب عورت اندر چلی گئی یہ بھی جانے لگا تو اللہ تعالیٰ کی یاد نے نشہ توڑ دیا اور یہ آیت اُس کی زبان پر جاری ہو گئی إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی عربی میں یہ ایک عظیم الشان تالیف ہے۔ اور ترجمہ بھی طبع ہو گیا ہے۔

إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ
تو وہ نوجوان غمخ کھا کر گیا اس عورت نے اپنی مدد کیلئے اپنی بازو کو بلایا۔ اور دونوں نے مل کر اٹھا کر اس کے دروازہ تک پہنچایا اور دروازہ کو کھٹکھٹایا بوڑھا باپ نکل کر آیا تو دیکھا کہ لڑکا دروازہ پر بیہوش پڑا ہے۔ اس نے اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا اور.....
اسے اٹھا کر اندر گھر میں لے گئے۔ رات کے بڑے حصہ کے بعد اس کو ہوش آیا باپ کے پوچھنے پر سارا قصہ سنایا۔ باپ نے پوچھا کونسی آیت پڑھی تھی، لڑکے نے اُپر والی آیت پڑھی اور پھر بیہوش ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے حرکت دی تو وہ مر چکا تھا۔ اس کو رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ صبح کو یہ قصہ حضرت عمرؓ تک پہنچا حضرت عمرؓ نے باپ کے پاس جا کر اُس کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے کیوں خبر کی، تو انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی قبر پر مجھے لے چلو۔ حضرت عمرؓ ساتھیوں کے ساتھ قبر پر پہنچے اور اُس کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا أَنْهَارٌ لَّهُمْ فِيهَا نِسَاءٌ مُّحْسِنَاتٌ يَدْعُونَ لَهُنَّ تَسْمِعُ لَهُنَّ وَأَهُلٌّ لَهُمْ فِيهَا وَأَصْحَابٌ عَلَىٰ سُرُجٍ نَّارُهَا زَيْتٌ أَوْ كَلْبَانٌ جنتیں عطا فرمادیں۔

حیاۃ الصحابہ میں ایک اور عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جنت البقیع تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم یا اهل القبور، ہمارا حال سنو کہ تمہاری عورتوں نے دوسرے نکاح کر لئے اور تمہارے گھروں میں دوسرے لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال سب بٹ گئے۔ تو ایک غیبی آواز آئی اب ہماری خبریں سنو! کہ جو ہم آگے بھیج چکے وہ یا لبا، اور جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی

میں خرچ کیا تھا اُس میں نفع ہوا، اور جو کچھ چھوڑ آئے اُس میں گھانا ہوا۔ اس میں ایک یہ بھی عجیب قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بدر کے پاس کو گذر رہا تھا کہ ایک گڑھے سے ایک آدمی نکلا، اسی گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی تھی اور مجھے بار بار آواز دے رہا تھا کہ اے عبداللہ مجھے پانی پلا، اور اسی گڑھے میں سے ایک اور آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور اُس نے کہا کہ اے عبداللہ اس کو پانی مت پلا یہ کافر ہے۔ اس کے بعد اُس نے ایک تلوار اُس پر ماری جس سے وہ اسی گڑھے میں واپس ہو گیا۔ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ابو جہل تھا اور قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا ہے گا۔ اور بہت سی روایات قبروں سے آواز سننے کی حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔ اس لئے جو مکاشفات و خوارق کا انکار کرتے ہیں وہ حدیث سے ناواقف ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح ص ۵۷ میں بہت سی روایات اور قصے اہل قبور کے نقل کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ابن ساس ایک جنازہ کے ساتھ ایک دن گئے اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے، ایک قبر کے پاس پہنچے اور دو رکعت پڑھی اور قبر پر ٹیک لگالی، وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا قلب جاگ رہا تھا کہ اچانک میں نے قبر سے ایک آواز سنی کہ صاحبِ قبر نے کہا کہ پرے کو ہٹو مجھے اذیت نہ دو، تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو مگر اس کے بدلے کو نہیں دیکھتے اور ہم لوگ ثواب کو دیکھتے ہیں عمل نہیں کر سکتے تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ میرے نزدیک اتنے اتنے (ثواب یا بدلے) :

زیادہ محبوب ہیں۔

دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت ابو قتلابہ فرماتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ آ رہا تھا۔ ایک جگہ اُترنا، وضو کیا اور دو رکعت پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، پھر جاگا تو دیکھا کہ صاحبِ قبر میری شکایت کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ تو نے ساری رات مجھے ستایا۔ پھر وہی اوپر والا مضمون ذکر کیا کہ تم لوگ عمل کرتے ہو مگر جانتے نہیں ہو اور ہم جانتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کہا کہ تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں وہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں۔ اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جزائے خیر دے، ہماری طرف سے اُنھیں سلام کہنا کہ اُن کی دُعا سے پہاڑوں کے برابر ہمیں نور پہنچتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے بہت سے قصے لکھے ہیں سب کا لکھنا تو مشکل ہے۔ اس میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے کہ میرے ایک دوست گھر سے عصر کے وقت نکلے اور باغ میں گئے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے قبرستان میں پہنچ گیا ایک قبر کو دیکھا کہ آگ کا شعلہ بن رہی تھی جیسے شیشہ کا برتن، اور مردہ اُس شعلہ کے اندر ہے۔ میں نے آنکھیں ملنی شروع کیں کہ کہیں سو تو نہیں رہا۔ پھر میں نے شہر پناہ کی طرف نگاہ کی تو شہر پناہ کو دیکھا تو یقین آیا کہ میں سو نہیں رہا اور میں مدہوشی کی حالت میں گھر پہنچا۔ گھر والے کھانا لائے مگر مجھ سے کھانا نہیں گیا۔ پھر شہر میں جا کر اس قبر کی تحقیق کی کہ کس کی قبر ہے تو پتہ چلا کہ یہ ایک ظالم ٹیکس لینے والے کی قبر ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت لکھی ہے کہ ابو قزحہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بصرہ کے قریب چشمہ پر گئے تو ہم نے گدھے کی آواز سنی۔ میں نے وہاں والوں سے پوچھا کہ کیسی آواز ہے؟ تو اُن لوگوں نے کہا کہ

یہ ایک شخص تھا جب اُس کی ماں کسی کام کیلئے کہتی تو یہ جواب دیا کہ تاکہ ہر وقت گدھوں کی طرح بولو جا۔ جبکہ یہ مرا ہے روزانہ رات کو اس کی قبر سے گدھے کی آواز آتی ہے۔

قصے تو بہت ہیں، اور بہت عبرتناک۔ ایک اور قصہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ ہملے شہر میں ایک شخص تھا اس کی ایک بہن بیمار ہوئی، اُس کی عیادت کیلئے وہ جایا کرتا تھا، پھر اس کا انتقال ہو گیا، اُس نے اُس کو دفنا دیا۔ دفنا کر لوٹا تو اُس کو یاد آیا کہ اُس کی قبر میں کوئی چیز بھول آیا، تو اپنے ایک ساتھی کو مدد کیلئے ساتھ لیکر قبرستان گیا اور قبر کھودی، وہ چیز مل گئی۔ پھر اُس نے اپنے ساتھی سے کہا ذرا ہٹو میں دیکھوں کہ میری بہن کس حال میں ہے اور لحد پر سے ایک دو اینٹیں اٹھائیں تو دیکھا کہ قبر میں آگ دہک رہی ہے۔ اُس کو بند کر کے آکر ماں سے پوچھا کہ میری بہن کا زندگی میں کیا حال تھا اور کیا عمل کرتی تھی۔ ماں نے کہا کیوں پوچھتے ہو وہ تو مر چکی۔ اُس نے اصرار کیا تو ماں نے بتایا کہ نماز میں لاپرواہی کرتی تھی اور محلہ والوں کی باتیں کان لگا کر سنتی تھی اور دوسروں میں پھیلاتی تھی۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر ابواسحق خزری سے سوال کیا کہ نباش (کفن چور) کیلئے توبہ ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جب سچے دل سے توبہ کرے تو قبول ہو سکتی ہے تو اُس شخص نے اُن سے کہا کہ میں کفن چور تھا میں نے بہت سے لوگوں کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا دیکھا۔ ابواسحق خزری کو اس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو اُنھوں نے امام اوزاعی کو لکھا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سنت کے خلاف پرمے ہیں، یعنی بدعتی لوگ۔

حافظ ابن قیمؒ اس قسم کی بہت سی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے بارے میں دکھائے ہیں..... اور ملاحدہ اور زنادقہ کے پاس ان واقعات کو جھٹلا دینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مندرجہ بالا مضمون کشف قبور کے بارے میں تھا اور کشف صدور کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الروح ص ۲۸۳ میں لکھا ہے کہ اہل فراست کی تو اللہ جل شانہ نے مدح کی ہے اس آیت میں اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا ہے کہ متوسمین سے مراد فراست والے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کئی آیتیں لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ فراست صادقہ اس قلب کیلئے ہے جو کندگیوں سے پاک صاف ہو اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کر چکا ہو تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اُس نور سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی فراست سے سچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے (ترمذی) اور یہ فراست اس میں اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے پیدا ہوتی کیونکہ دل جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے تو بڑے خیالات جو حق کی پہچان اور ادراک سے مانع ہوتے ہیں اس سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ اس مشکوٰۃ سے حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب، اپنے قرب کے موافق اور اس کیلئے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس نور سے وہ چیزیں دیکھتا ہے جسے وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے جو اللہ تعالیٰ سے دور اور محجوب ہوں،

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی بندہ اتنا قریب ہو
 حاصل نہیں کر سکتا جتنا فرائض سے اور بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرتا
 رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے
 محبت کرتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی
 آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے
 وہ پکڑتا ہے، اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے پس وہ مجھ ہی سے
 سنتا ہے، مجھ ہی سے دیکھتا ہے، مجھ سے پکڑتا ہے، مجھ ہی سے چلتا ہے۔
 پس جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو بندہ کا دل صاف شفاف آئینہ
 کے مانند ہو جاتا ہے اور اس کے قلب پر حقائق کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور
 اس کی کوئی فراست غلط نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ
 دیکھتا ہے تو وہی چیز دیکھتا ہے جو حقیقت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ سنتا ہے تو وہی چیز سنتا ہے جو حقیقت میں ہوتی ہے۔ اور یہ علم غیب
 نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہ اُس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جب قلب
 پر نور غالب ہو جاتا ہے تو اُس کا فیضان اعضا پر بھی ہوتا ہے اور وہ نور دل سے
 آنکھ کی طرف آتا ہے، پھر اس آنکھ سے اس نور قلب کے موافق نظر آتا ہے۔
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے بیت المقدس کو دیکھ لیا۔
 مدینہ منورہ میں خندق کھودتے وقت شام کے حالات اور شہر صنعا، کے
 شہر پناہ کے دروازے اور مدائن کسری کو دیکھ لیا اور جب غزوہ موتہ میں امراء
 کی شہادت ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں رہ کر
 دیکھ لیا۔ اور نجاشی کی جب جیشہ میں موت ہوئی تو مدینہ میں آپ پر منکشف

ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہؓ کو جب وہ نہادند میں لڑ رہے تھے دیکھ لیا تھا
 اور مدینہ میں منبر پر سے آواز دی۔ اور کچھ لوگ جب تعبیلہ مذبح سے ان کے
 پاس آئے ان میں اشتر نخعی بھی تھا تو بہت غور سے اوپر سے نیچے تک اُس کو
 دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مالک بن حارث۔ تو فرمایا کہ
 اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرے، میں اس کی وجہ سے مسلمانوں پر بہت پریشانی
 دیکھتا ہوں (یہ قائلین عثمانؓ کے لیڈروں میں تھا)۔ اور مسجد حرام میں ایک
 دفعہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا، امام محمدؒ
 نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ یہ بڑی ہی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لوہار ہے۔
 پھر دونوں نے اس سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ پہلے میں لوہار تھا، اب برہمنی کا کام
 کرتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک نوجوان رہتا تھا جو دوسروں
 کے قلبی خطرات بتا دیتا تھا۔ حضرت جنیدؒ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ حضرت جنیدؒ
 نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تیری طرف سے کیا نقل کرتے ہیں؟ اُس نے کہا
 کہ صحیح ہے، آپ بھی کوئی چیز سوچیے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سوچ لیا۔ اُس نے
 کہا کہ یہ یہ سوچا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ غلط ہے۔ پھر دوسری اور تیسری
 مرتبہ بھی ہوا کہ حضرت جنیدؒ نے کچھ سوچا اور اُس نے بتایا اور حضرت جنیدؒ
 نے کہا کہ یہ کدیا کہ غلط ہے۔ تین دفعہ کے بعد اُس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے
 آپ تو بالکل سچے ہیں اور میں اپنے قلب کی حالت سے زیادہ واقف ہوں
 تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے تینوں دفعہ صحیح کہا مگر میں نے تمہارا امتحان
 لیا تھا۔ اور ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد حرام میں داخل
 ہوا، اتنے میں ایک فقیر بھی داخل ہوا جو دوپڑا نی چادریں اوڑھے ہوئے

تھا، کچھ مانگ رہا تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے لوگ دنیا پر بوجھ پڑتے ہیں۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور کہا اَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَعْصِمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ فَاَحَدٌ رَّدُوْهُۥۙ مِیْنَنۡ لِّمَنۡ يَّشَاءُ ۗ ذٰلِكَ مِمَّا يَفْعَلُ اللّٰهُۥۙ لِمَنۡ يَّشَاءُ ۗ اور دوسری آیت پڑھی وَهُوَ الَّذِیۡ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖۙ ۚ اور حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی نگاہ راستہ میں ایک عورت پر پڑ گئی تھی اور اُس نے اُس کو اچھی طرح گھور کر دیکھا تھا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور زنا کا اثر اُن کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے اُس نے کہا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہیں لیکن فرستِ صادقہ اور تبصرہ اور برہان ہے۔ یہ فرست ہے، اور وہ ایک نور ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں جس سے ان کے دل میں کسی چیز کا خیال آتا ہے اور حقیقت میں وہ ویسی ہی ہوتی ہے۔ یہ مضمون حافظ ابن قیمؒ کی کتاب الروح سے مختصراً نقل کیا گیا ہے اس میں بہت سے قصے اس نوع کے ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ ص ۲۱۱ میں مکاشفات کی تائید کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ فرمانبرداروں کے مونہوں کے قریب ہو اور جو کہیں اُس کو سُنو کیونکہ ان پر امور صادقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ امور صادقہ جن کی خبر حضرت عمرؓ نے دی ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر منکشف فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے مخاطبات اور مکاشفات ہیں ا۔ ہ۔

حضرت امام اعظمؒ کے ماہِ مستعمل کے سلسلہ میں دو قول مشہور ہیں

اول نجاست کے قائل تھے جب ماہِ مستعمل کا لا نظر آتا اور گناہ دھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ امام صاحبؒ نے بڑی دعائیں کیں کہ یا اللہ میں لوگوں کے معاصی پر مطلع ہونا نہیں چاہتا۔ دعا قبول ہو گئی اور کشف جا آیا تو امام صفا نے بھی نجاست سے طہارت کی طرف رجوع کر لیا۔

شطحیات

بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے (التکشف^{۱۹۹}) بے اختیاری کی حالت میں جو غلبہ وار دیکھی وجہ سے قواعد کے خلاف کوئی بات منہ سے نکل جائے وہ شطح ہے اس شخص پر ننگنا ہے نہ اُس کی تقلید جائز ہے (تعلیم الدین ص ۱۱۱)

اکابر کے کلام میں بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن پر ظاہر ہی کفر تک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ غلبہ شوق یا سکر کی حالت میں نکل جائیں تو وہ نہ موجب کفر ہیں نہ موجب تقلید۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسا کہ ایک آدمی سفر میں جا رہا ہو اور اُس کی اُونٹنی پر اُس کا سارا سامان کھانے پینے کا ہے۔ اور ایسے جنگل میں جو بڑا خطرناک ہلاکت کا محل ہے پھوڑی دیر کو لیتا، ذرا آنکھ لگی، اور جب آنکھ کھلی تو اُس کی اُونٹنی کہیں بھاگ گئی۔ وہ ڈھونڈتا رہا اور گرمی اور پیاس کی شدت بڑھ گئی تو وہ اس نیت سے اسی جگہ آکر لیٹ گیا کہ مر جاؤنگا، اور ہانہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، آنکھ لگ گئی اور پھوڑی دیر میں آنکھ کھلی تو اُس کی اُونٹنی پاس کھڑی تھی، اُس پر سارا سامان کھانے پینے کا موجود تھا۔ اُس وقت میں اُس کی خوشی کا کوئی انداز نہیں کر سکتا اور خوشی میں کہنے لگا کہ اللہ تو میرا بندہ میں تیرا رب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شدت فرح سے چوک گیا۔ یہ روایت

بخاری مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ حضرت تھانوی التشریف مثلاً میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مغلوب کی غلطی معاف ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلطی کو نقل کر کے نکیر نہیں فرمائی۔ اگرچہ وہ فرج ہی سے ہو جو کہ ایک حالت ناشی عن الدنیا ہے تو بھلا جو محبت اور شوق سے مغلوب ہو اُس کا تو کیا پوچھنا ہے جو کہ ناشی عن الدین کیفیات میں سے ہے۔ انتہی۔ نیز حضرت عائشہؓ کا اس قصہ میں جب کہ ان پر اہمت لگائی گئی تھی، روایت ہے کہ جب ان کی براءت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا کہ اٹھو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ (یعنی بطریق ادائے شکر یہ سلام کے) یہ اُس وقت جوش میں تھیں کہنے لگیں واللہ میں اٹھ کر نہیں جاؤں گی، اور میں بجز خدا تعالیٰ کے کسی کا شکر ادا نہیں کروں گی اسی نے میری براءت نازل فرمائی ہے (اور سب کو تو شبہ ہی ہو گیا تھا) روایت کیا اس کو بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی نے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں بعض بزرگوں سے نظماً یا نثرً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موسم گستاخی ہے۔ اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو شطح اور اولال کہتے ہیں حضرت صدیقہؓ کا یہ کہنا اسی قبیل سے ہے جس کا منشاء ایک خاص سبب شدت غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی بمقتضیٰ بشریت و عدم علم غیب اس معاملہ میں مشوش و متردد تھے اور حضرت صدیقہؓ کو اس تردد کی اطلاع تھی، پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپ کو بھی شبہ ہے۔ پس براءت کے نزول پر ان کو جوش آیا اور یہ جواب اُن سے صادر ہوا۔ چون کہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ حدیث سے اہل شطح و ادلال کا معذور ہونا ثابت ہو گیا۔ (التکشیف)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ہم سے راضی ہوتی ہو یا خفا ہوتی ہو، ہم پہچان لیتے ہیں حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ آہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم راضی ہوتی ہو قسم کھاتی ہو محمد کے رب کی، اور جب ناراض ہوتی ہو قسم کھاتی ہو ابراہیم کے رب کی، حضرت عائشہ نے کہا کہ سچ فرمایا آپ نے مگر میں صرف نام ہی چھوڑتی ہوں فقط۔

یہ محبت اور ناز و انداز کے قصے ہیں۔ محبت والے ہلتے ہیں کہ حضور کو یہ چیز بھی محسوس ہوئی کہ وہ کس طرح قسم کھاتی ہیں۔ اور یہ بھی چونکہ محبوبہ ناز تھا اس لئے اس پر کبیر نہیں ہوئی۔

خواجہ احمد جام کا قصہ مامی کنیم والا پہلے گزر چکا کہ ان کے ہاتھ پیر سے نابینا کی آنکھیں ابھتی ہو گئیں اور وہ ”ہم کرتے ہیں، ہم کرتے ہیں“ کہتے جاتے تھے۔ یعنی ہم اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ اور ارواحِ ثلاثہ حکایت ۲۴۹ میں ہے جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نانو تووی اپنی درگاہ میں نہایت پریشان بیٹھے تھے۔ امیر شاہ خان اور چند دوسرے اشخاص بھی اس وقت بیخ گئے۔ مولانا نے فرمایا رات مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔ میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا، حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو ظاہر گستاخی تھی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا بس چپ رہو جو کومت (ایسی گستاخی) یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور بہت استغفار اور معذرت کی

بالآخر قصور معاف ہو گیا۔ حضرت نانو تووی نے جب یہ قصہ سنا تو گھبرا کر اٹھ گئے اور فرمایا کہ افوہ! مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا تو بہ، تو بہ، توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذب ہیں، اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔ حضرت تھانوی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض مراتب مجذب و بیعت میں ایسے اقوال داخل ادلال ہو کر عضو فرما دیئے جاتے ہیں۔ اور بعض مجاذب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔

دہلی کی جامع مسجد کی میٹرھیاں ساری عمر سے کسی نہ کسی مجذب کا مستقر رہتی ہیں۔ بہت سے مجاذب کے قصے مشہور ہیں۔ نہ معلوم کس زمانہ سے یہ ان کا مستقر بنتا رہا۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا قصہ ہے کہ جب وہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لیجاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کوچلتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے اور ان کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اس کے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لائیں مالتے اور بڑبڑلا کہتے اور ان کے نیچے سے مصلے نکال کر پھینک دیتے، لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے مگر دریافت کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرات کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے ہیں؟ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس

کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو یہ ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے، اُس وقت اُن کے ساتھ یوں ہی ہاتھ پائی ہوا کرتی تھی، اب ہمیں خدا نے ہدایت کی ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحبِ اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اُدنچا دیکھا۔ اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت اوب کیا اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑ دی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں، آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ لگے۔ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے نہایت اصرار کیا مگر اُس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اس کو میں نے نہ مانا۔ اس پر اُنھوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی اور میں کورا رہ گیا۔ اب میں بھی بہت پریشان ہوا، اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دے دو اس پر اُس نے کہا کہ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سبکے سامنے میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اسی مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

اس کے حاشیہ پر حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے قولہ کیفیت سلب کر لی اقول اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قوی اور اکیہ و عملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اس میں غباوت پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی کمال اور قرب تو کوئی زائل نہیں

کے سلب۔ احقر (حضرت تھانوی) کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں گولذت کی کمی سے قلع ہوتا ہے، البتہ بواسطہ اس لئے گلہ مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تغلیل فی الاعمال کی طرف اس لئے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیت نفسانیہ کا غلبہ محل ہو ضروریات واجبہ و نیویہ یا دنیہ میں وہاں یہ تصرف طاعت ہے اور جہاں محض مصاحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے، جیسے اس قصہ میں ہوا۔
(ارواحِ ثلاثہ ص ۲)

یہ ناکارہ کئی سال دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا ممبر رہا حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کا معاملہ حکیم اسحق کٹھوری سے اس سے بھی زیادہ تیز ہوتا تھا۔ شروع میں تو بڑا متحیر رہا پھر کچھ دنوں بعد سمجھ میں آیا۔ بات میں سے بات نکلتی چلی آئی۔ اصل قصہ جو مجھے لکھوانا تھا وہ یہ کہ اسی جامع مسجد کی سیرٹھیوں پر ایک مجزوب رہا کرتے تھے، دیندار نیک تھے، ایک دن اُنھوں نے رٹ لگانا شروع کی کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا۔ اور زور زور سے کہنا شروع کیا۔ لوگ اُن کو پکڑ کر قاضی صاحب کے یہاں لے گئے۔ قاضی صاحب بھی کوئی بزرگ آدمی تھے۔ اُنھوں نے ان مجزوب سے پوچھا کیا کہہ رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ دو گھنٹے سے شیطان مجھ پر مسلط ہے اور مجبور کر رہا ہے کہ میں یوں کہوں کہ تو میرا خدا میں تیرا بندہ۔ میں اس کو ڈانٹ کر کہتا ہوں کہ نہ تو میرا خدا اور نہ میں تیرا بندہ۔ اور مقصود ان واقعات سے یہی ہے کہ شیطیات کو سمجھے بغیر ان پر نکیر نہ کرے۔

سکر و غشی

سکر و غشی بسا اوقات شطیحات کا سبب ہو کرتے ہیں اور مشاع سلوک کے بہت سے اقوال و احوال حالت سکر پر محمول کئے گئے ہیں۔ اگر یہ سکر کسی ناجائز چیز سے ہو تب تو ناجائز ہونا ظاہر ہے لیکن بسا اوقات وارد قوی کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ قلب اس کا متحمل نہ ہو۔ یہ قلب کے ضعف کا اثر نہیں ہوتا بلکہ نہایت قوی القلب بھی جب وارد اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی قوت کی وجہ سے بیہوش ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود نبی اولوا العزم ہونے کے خود رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی مگر جب تجلی ہوئی تو بیہوش ہو گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوت برداشت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ نسبت اتحادیہ تو نزول وحی ہی کے وقت پیدا ہو چکی تھی اور تیرہ برس تک جن معارف و مقامات عالیہ پر ترقی فرمائی تو شب معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی یہ کہہ کر پیچھے رہ گئے۔

اگر ایک سرے سے برتر پریم فروغ تجلی بسوزد پریم
کہ اگر ایک بال برابر بھی اوپر بڑھوں تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے گی۔
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں آسمانوں پر....
جن حجاب و غائب کو دیکھا اس سے کوئی تغیر اور انکسار و اضمحلال جسدِ ظہر
میں پیدا نہیں ہوا، ویسے ہی واپس تشریف جیسے گئے تھے۔ حضرت تھانوی

نور اللہ تعالیٰ مرقدہ نے التکشف منہ ۵۳ میں فرمایا ہے کہ عقل کا مغلوب ہو جانا جیسا کبھی احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسا ہی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت اور مسلم ہے۔ مجملہ احوال نفسانیہ کے وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے۔ سو جس طرح مجنون و معتوہ شرعاً معذور ہیں اسی طرح صاحب سکر و مغلوب الحال بھی اپنے اقوال شطیجہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے۔ اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس طرح جنون و عتہ (خفیف العقل) بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کے کلام میں تاویل عذر کی جائے ان میں ایک قرینہ منقول ہونا ان کے سکر کا ہے اور ایک قرینہ منقول ہونا ان کے فضائل و کمالات و اتباع سنت کا غالب احوال میں ہے جو مضطر کر یگا تاویل کی طرف ورنہ جس کا غالب حال فسق و معصیت اور اتباع بطالت ہو وہاں کوئی حاجت تاویل کی نہ ہوگی کیونکہ احتمال غیر ناشی عن دلیل معتبر نہیں ورنہ انکار و احتساب و سیاست کا باب ہی مسدود ہو جائے و ہو باطل۔

التکشف ہی میں ہے منہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھنے اور حضرت عمرؓ کے باصرار روکنے میں لکھا ہے کہ وار و غیبی کے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قولاً فعللاً کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورتاً ادب سے مستبعد ہے۔ سو ایسی حالت میں شائع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے۔ پھر جب حالتِ صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جہرات پر تعجب ہوا اور نام ہوئے۔ اکابر صوفیا، کے یہاں بھی بہت کثرت سے واردات کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر وار دضعیف ہو اور قلب قوی ہو تو اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اور وار د قوی ہو اور قلب ضعیف ہو تو اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا قصہ مجھے تو مفصل یاد ہے مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں۔ البتہ تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۳۲ پر درج ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی مجلس میں بزرگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو کسی نے حضرت گنگوہی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کی حالت دریافت کی تو حضرت شاہ صاحب نے یہ لفظ فرمائے کہ مولانا رشید احمد صاحب کا کیا حال پوچھتے ہو وہ تو دریابی گئے اور ڈکار تک نہیں لیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فتاویٰ ص ۳۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسے لوگ جن پر غلبہ حال ہو ان پر حلول و اتحاد کی کچھ کیفیت غالب ہو جاتی ہے۔ اتحاد کی بعض نوع حق ہوتی ہے بعض باطل لیکن چونکہ غلبہ حال میں ہوتی ہے اور عقل غائب ہوتی ہے یا اس نے اپنے محبوب کے سوا سب چیز کو فنا کر دیا ہو اور یہ نشہ کسی ناجائز چیز سے نہ ہو تو ایسا شخص معذور ہوگا، قیامت میں اس کو سزا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے اور اگر یہ اس سے غلطی سے ہو رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں داخل ہوگا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا اور اس ارشاد میں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ اور یہ جیسا کہ نقل کیا جاتا ہے کہ دو آدمی تھے، ایک کو دوسرے سے عشق تھا، محبوب دریا میں گر گیا تو عاشق نے بھی اپنے آپ کو اس کے پیچھے دریا میں ڈال دیا محبوب نے پوچھا کہ میں تو گر رہا تھا تمہیں کس نے گرایا تو عاشق نے کہا کہ میں تمہاری محبت میں اپنے سے غائب ہو گیا اور یہ گمان کیا کہ تو نہیں ہوں تو یہ حالت اہل محبت و ارادت کو بہت زیادہ پیش آتی ہے۔ حق تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے موقعوں پر بھی گو اس میں کچھ نقص اور خطا بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب میں اپنی محبت سے اور اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور مذکور میں ذکر سے اور مشہود میں شہود سے اور موجود میں وجود سے تو اس وقت اس کو تمیز نہیں رہتی اور نہ اپنے وجود کا احساس رہتا ہے۔ ان حالات میں کبھی انا الحق کہنے لگتا ہے، کبھی سبحانی کہنے لگتا ہے اور کبھی مافی الجبۃ الا اللہ اور اس قسم کے الفاظ۔ وہ محبت کے نشہ میں ہوتا ہے اور ایسے نشہ کی باتیں پھیلائی نہ جائیں۔ اگر اس کا نشہ کسی ممنوع وجہ سے نہ ہو۔

ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی میراث میں تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ ادھر چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ تقسیم ہوتے نہیں دیکھا، صرف ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن کے پڑھنے میں لگ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو میراث ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (رواہ زرین)

حضرت تھانویؒ التکشف ص ۴۷ میں فرماتے ہیں اکثر بزرگوں کی تقریر تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جن کی توجیہ و مراد سننے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے کبھی قصد اخفاء عوام سے کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مصلحت تشویق کے لئے اول ابہاماً فرمایا جس سے ابہام معنی غیر مقصود کا ہوا، حتیٰ کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی۔ مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عبارات موہمہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح قدح نہ کرے کہ مضمحل مان ہے۔ نیز حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جن کا گھر مدینہ میں بہت دور تھا مگر کوئی نماز ان کی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فوت نہ ہوتی ہم

کلام صوفیہ کا محل خلاف ظاہر

حضرات صوفیہ کے کلام میں ظاہر کے خلاف معنی بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور بعضے بیوقوف رموز فن سے ناواقف ان پر اعتراض بھی کیا کرتے ہیں۔ شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سواری مانگی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اڈٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں اڈٹنی کا بچہ لیکر کیا کر دوں گا مجھے تو سواری کے لئے چاہیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اڈٹ کسی اڈٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ شمائل ہی میں ایک دوسری حدیث ہے حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ عار فرمادیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت روتی ہوئی ٹوٹنے لگی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ حق تعالیٰ جل شانہ سب اہل جنت عورتوں کو نو عمر کنواریاں بنا دیں گے اور حق تعالیٰ شانہ کے اس قول اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا اِلٰیہ۔ میں اس کا بیان ہے جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ یعنی ہم نے ان کو

لوگوں کو ان کے حال پر ترس آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میاں فلا نے کیا خوب ہو
 اگر تم ایک دراز گوش خرید لو کہ تم کو گرم کنکر اور پتھر سے بچائے اور حشرات الارض
 سے بھی حفاظت ہے وہ شخص کہنے لگے یا درکھو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ
 میرا گھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ سے متصل ہو حضرت
 اُبی فرماتے ہیں کہ اس کہنے کا مجھ پر بابر عظیم ہوا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا اور سب قصہ بیان کیا۔ آپ
 نے اُن کو بلایا، اُنہوں نے ویسا ہی جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ میں اپنے قدم کو
 چلنے میں امید ثواب کی رکھتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم کو وہی ملیگا جس کا تم خیال رکھتے ہو۔ روایت کیا
 اس کو مسلم نے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مثل سابق اس میں بھی وہی تقریب ہے
 جو ابھی اس سے اوپر کی حدیث کے ذیل میں گذری۔ دیکھئے ان انصاری
 صحابی نے ایسے عنوان سے یہ مضمون ادا کیا جس کے الفاظ نہایت ناگوار تھے
 اور اسی وجہ سے حضرت اُبیؓ پر گراں گذرا، عجب نہیں کہ اپنے اغلاص کے اخفاء
 کے لئے اس طرز کو اختیار کیا ہو یا اس طرح کی اور کوئی مصلحت ہو۔ آخر
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر مقصود اصلی
 واضح ہوا۔ آپ سے اخفاء کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ایک حدیث قدسی میں حضرت
 ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
 کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے
 میری عیادت نہیں کی۔ وہ عرض کر بیگا لے پر درکار میں تیری عیادت کیسے

کر سکتا ہوں، آپ تو رب العالمین ہیں (یعنی آپ کو بیماری سے کیا واسطہ)
 ارشاد ہوگا کہ تجھ کو خبر نہیں ہمارا فلا نا بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی
 عیادت نہیں کی۔ تجھ کو خبر نہیں، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے
 پاس پاتا۔ پھر اسی طرح حدیث میں کھانا مانگنے کا اور پانی مانگنے کا ذکر آیا
 ہے (یعنی ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ سے کھانا مانگا، پانی مانگا، وہ بندہ وہی
 عرض کر بیگا اور وہی جواب ملے گا) اور ان دونوں میں جواب یہی ہے کہ تو مجھ کو
 اس کے پاس پاتا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایسی تعبیریں مجاز ہوا کرتی ہیں
 حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کئے جاویں۔ قرآن پاک میں تو اس قسم
 کی بہت سی آیتیں آیتہا العیز انکم لسا رفون اور وَكَانَ
 وَرَأَاهُمْ مَلِكًا يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا، وَقَدْ مَكَرُوا
 وَمَكَرَ اللَّهُ وَاروہوئی ہیں۔

اُمُّ الْأَمْرَاضِ "تکبر"

اس ناکارہ کا ارادہ تو بہت کچھ لکھنے کا تھا۔ ذہن میں بھی بہت کچھ تھا، مگر اس مرتبہ مدینہ پاک حاضری کے بعد سے طبیعت مسلسل خراب ہی چل رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی خراب ہی رہی اور خوب خراب ہی خیال یہ تھا کہ حسب دستور مدینہ پہنچ کر طبیعت درست ہو جائے گی۔ مگر اس سال مدینہ پاک حاضری کے بعد سے بھی مسلسل خراب ہی چل رہی ہے اس لئے اس رسالہ کو شروع کر نیکے بعد بھی کئی مرتبہ التواء کا ارادہ کیا مگر دوستوں کے اصرار سے بالکل بند تو نہ ہوا لیکن کئی کئی روز بلکہ ہفتہ عشرہ تک بھی بند کرنا پڑا اور اب تو طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی اس لئے دو مضمون لکھ کر رسالہ کو ختم کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ یہ دونوں مضمون شروع ہی سے ذہن میں تھے کہ اختتام ان دونوں مضمون پر کرنا ہے، ایک اُمُّ الْأَمْرَاضِ تکبر اور دوسرا اکابر کی شان میں گستاخی۔ کہ یہ دونوں مضمون شریعت اور طریقت دونوں ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اُمُّ الْأَمْرَاضِ کا نام بھی میں نے اپنے ایک دوست مخلص صوفی اقبال کے رسالہ سے لیا کہ انہوں نے اُمُّ الْأَمْرَاضِ تکبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا پہلا ایڈیشن تو شائع ہو کر ختم بھی ہو گیا۔ دوسرا اب شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر تو ارادہ ہوا تھا کہ اس مضمون کو ان پر حوالہ کر دوں مگر دوستوں کا اصرار ہوا کہ ہر شخص کا طرز تحریر الگ ہوتا ہے تو اس مضمون کو اپنے رسالہ میں ضرور لکھ۔ میں نے کئی سال

پہلے اپنے کسی رسالہ میں ایک مضمون بہت تفصیل سے لکھا تھا کہ معاصی دو طرح کے ہوتے ہیں، حیوانی اور شیطانی۔ اور اس میں یہ بھی تفصیل سے بیان کیا تھا کہ اللہ جل شانہ کے یہاں حیوانی معاصی اُس کی رحمت سے بہت جلد معاف ہو جاتے ہیں۔ بہت مشہور حدیث ہے کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ وَانْ ذُنُوبُكَ قَالَ وَانْ سَرِقَ قَالَ وَانْ سَرَقَ۔ اور اس کو بہت ہی مدلل قرآن و حدیث سے لکھا تھا۔ مگر چونکہ میری عادت ہمیشہ یہ رہی کہ میں اپنی تالیفات کو اپنے اجاب بالخصوص مولانا عبد الرحمن صاحب، قاری سعید احمد صاحب مرحومین کو لفظ لفظ دکھلایا کرتا تھا اور جس کو وہ قلم زد کرتے چاہے وہ میری رائے کے خلاف ہو زبانی تو ان سے لڑ لیا کرتا تھا مگر تحریر میں وہی رہتا تھا جس کو وہ منظور کرتے یہ تو مجھے یاد نہیں رہا کہ کس مسودہ میں تھا۔ ان دونوں دوستوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس مضمون سے معاصی شیطانیہ کی اہمیت تو پیدا نہیں ہونے کی، حیوانیہ کی اہمیت جاتی رہے گی۔ اس لئے اس وقت تو نہ ہو سکا مگر اس رسالہ کے مناسب کبر کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ یہ سائے معاصی میں صرف میری نگاہ میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی مہلک ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت

بیان فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے سَأَصْرِفُ عَنْ

آيَاتِي الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْحِكْمَ لِيُبْدِلُوا أَحْكَامَ اللَّهِ بِأَحْكَامِهِمْ

ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا اُن کو کوئی حق حاصل حاصل نہیں۔ {سورۃ اعراف رکوع ۱۰ بیان القرآن} کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا ہی اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے اور وہ ایک خدا کی ذات ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے كَذَّالِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارًا (اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جاہل کے پوسے قلب پر مہر کر دیتے ہیں (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ (یعنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (بیان القرآن) اور ارشاد ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَآخِرِينَ (اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کر لوں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں وعار بھی داخل ہے) سرتابی کرتے ہیں وہ عن قریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے (بیان القرآن) اور تکبر کی مذمت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے تو جو کوئی

شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کرے گا اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا۔ اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے نفس کو بڑھا تا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو عذاب ان کو ہوتا ہے وہی اس کو بھی ملتا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گروں نکلے گی جس کے دوکان ہوں گے جن سے وہ سنے گی اور وہ انکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گی، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گی وہ کہے گی کہ میں تین آدمیوں پر مسلط ہوں۔ ہر تکبر فصدی پر اور ہر اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو اور تصویر بنانے والے پر۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا۔ جہنم نے کہا کہ میں ترجیح دی گئی ہوں متکبر اور جبار لوگوں کے ساتھ۔ اور جنت نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ ترجیح دی گئی ہوں جو کمزور اور گرے پڑے اور بھولے بھالے ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انتقال کے وقت اپنے دو صاحبزادوں کو بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں کا

علم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، شرک اور کبر سے (الحديث) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قیامت کے دن جبائین اور تکبرین کو چیونٹیوں کے برابر کر دیا جائے گا، لوگ ان کو روندتے ہوئے جائیں گے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہت سی روایات اور آثار کبر کی بُرائی کے ذکر کئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے چند بطور نمونہ لکھواتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد ہے (ارشاد الملوک ص ۱۱۴ میں اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے) کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔ حضرت ذہب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو ہر تکبر پر حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ جل شانہ اُس شخص کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتے جو اپنی ازار (گنگی وغیرہ) کو متکبرانہ گھسیٹتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص جبکہ اکڑ کر دو چادریں پہنے چل رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اچھا لگنے لگا تو اللہ نے اُس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہے گا۔ اور حضرت مطرف بن عبد اللہ نے دیکھا کہ مہلب ریشمی جبہ میں اکڑ کر چل رہا تھا، اُنھوں نے اس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے یہ چال (اکڑ کر چلنا) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کو ناپسند ہے تو مہلب نے کہا کہ تو مجھ کو پہچانتا نہیں کہ کون؟ اُنھوں نے

کہا خوب پہچانتا ہوں تیری ابتداء منی کا قطرہ تھی اور تیرا آخر مِردار ہو گا جس سے ہر شخص گھٹن کر بیگا۔ اور تو ان دونوں حالتوں کے درمیان میں اپنے پیٹ میں نجاست لئے پھرتا ہے۔ مہلب اکڑ کی چال چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے بندہ جب تو اضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بلند ہو۔ اور جب تکبر کرے اور اپنی حد سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو گرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل ہو۔ پھر وہ اپنی نگاہ میں تو بڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نگاہ میں سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر یہ آواز دے کہ تم میں جو سب سے بُرا ہو وہ باہر نکل آئے تو خدا کی قسم مجھ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کو جب یہ مقولہ پہنچا تو فرمایا کہ اسی بات نے تو مالک کو مالک بنا رکھا ہے۔

عزیزم صوفی اقبال نے ”اکابر کے سلوک“ ص ۳۴ میں حضرت گنگوہیؒ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے۔ پہلے بزرگ اخلاق سید کے ٹھہرانے کی محنتیں کر آیا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جائے مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔ اخلاق سید بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے، پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے۔ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ ایک روز

عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے فرمایا اچھا ایک بات کرو، اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جو تاما لے گا اُس کو ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو مائے گا تو دو دوں گا۔ اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی رہ جائے تو میرے پاس آؤ۔ اس شخص نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ لے تو اللہ مومن ہو جائے۔ مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا، جانکل جاتجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدقوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ میاں دستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا، شیخ نے فرمایا بس اس نیت ہی کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس بیہودہ خیال کو جی سے نکال دو اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے، پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے۔ کیسا نفع، کہاں کا اجر۔ یہ ہستی، جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان یہ زبان، یہ جو اس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے ان کے شکر یہ سے تو

فراغت ہو لے تو دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۳۳)
چونکہ یہ راستہ (سلوک و معرفت) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کر نیکی پوری پوری کوشش کرتا ہے اس طرح سے کہ ظاہری معروف گناہوں سے پرہیز اور تقویٰ اور عبادات کی کثرت کو اپنی جگہ ہونے دیتا ہے لیکن اندر ہی اندر اُمّ الامراض یعنی کبر کو بڑھا کر ہتا ہے جس سے سب کیا کر ایضاً ہو جاتا ہے۔ (اکابر کا سلوک)

اکمال الشیم ص ۹۵ میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدہ کے بعد ہو گا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو تو متکبر ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو۔ سر سے پاتک اپنے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے کیونکہ تواضع کا اور نہ کسی صفت محمود کا اس لئے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔
حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو بلند اور بالاتر سمجھے بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے۔ جیسے کوئی

امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں کہ بیچائے بڑے منکسر مزاج ہیں۔ حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمرہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً گڑھی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کے تھا کہ گڑھی پر بیٹھوں۔ لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں اپنی قدر و منزلت ہے بلکہ متواضع وہ ہے کہ وہ ہے کہ تواضع کا کام کر کے اس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جائے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے کہ میں تو ایسا غور ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں۔ یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فرض سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

یہ طویل مضمون ہے جو مختصر لکھ دیا گیا۔ بہر حال میرا بھی جی اس کو مفصل لکھنے کو چاہتا تھا مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں ختم کر رہا ہوں۔ کبر کا مسئلہ شریعت میں بہت سخت ہے اور طریقت میں اس سے بھی زیادہ۔ اکابر کا معمول ہمیشہ دیکھا اور خوب دیکھا کہ جس کو اثنائے سلوک میں خلافت کا خیال بھی آجاتا تھا وہ حضرات اس کو باوجود حصول نسبت کے خلافت کے دینے میں بہت پس و پیش کرتے تھے اور خلافت مل جانے کے بعد بھی کبر

آثار شروع ہونے پر اگر تنبیہ سے کام چل جاتا تو خیر و نہ اجازت کو منسوخ کر دیتے۔ میں نے اکابر کے بعض خلفاء کو جو بہت ذاکر و شاعر تھے اس کبر کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خلافت کے بعد اس سے بچنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر شیخ کی طرف سے خلافت منسوخ بھی نہ کی جائے تو سلسلہ نہیں چلتا اور ان کے مریدین بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس ہلک مرض سے نجات عطا فرمائے اور میرے دوستوں کو خاص طور سے اور جملہ سالکین کو محض اپنے فضل و کرم سے بہت ہی محفوظ رکھے بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔ کبر کا معاملہ تو بڑا ہے لیکن اس سے بھی بہت ہلکی چیز جو عجب ہے وہ بھی نہایت قابل احترام ہے۔ کیونکہ اس کے نتائج بھی بسا اوقات ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں جنانچہ اسی عجب کی بدولت غزوہ حنین میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے باوجود صحابہ کرام کو سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔ سورہ توبہ میں آدھے پارہ کے قریب تیسرے رکوع میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بیان القرآن میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حنین کے دن بھی جس کا قصہ عجیب غریب ہے تم کو غلبہ دیا جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرور ہو گیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی۔ اور کفار کے تیر برسوں سے ایسی پریشانی ہوئی کہ تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مؤمنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی۔

اور مرتدین کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔

مرتدین کی لڑائی میں اول طلیحہ کذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے کچھ ماکے گئے خود طلیحہ بھی بھاگ گیا اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اس کے بعد مسلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا، ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم طلیحہ کذاب سے فارغ ہو گئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کمد یا تھا) بنی خنیفہ میں ہی کیا چیز؟ یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نمٹ چکے ہیں (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لیکر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت خالدؓ خود اقرار کرتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے حضرات خلفاء راشدین جب کسی فوج وغیرہ کو کامیابی کی مبارکباد دیتے تھے تو بڑی تاکید اسکی فرماتے تھے کہ عجیب پیدا نہ ہو۔ اعتدال ص ۱۲۱ پر اس کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔ اس کے بالمقابل عجز و انکساری اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور محبوب ہے جو ہمیشہ انبیاء و اولیاء عظام کا شعار رہا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولؐ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر مبارک

جھکا ہوا تھا سر ایا عجز و انکسار تھے۔ ایک ایک ادا سے تواضع و عفو کا ظہور ہو رہا تھا حالانکہ یہ اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں سب سے بڑی فتح تھی اسی کا ثمرہ تھا کہ سرکش اور حد درجہ معاند مطیع و منقاد ہوتے چلے گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ پروردگار عالم کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر ایا شفقت و رحمت ہیں اور بہت بڑی دولت و نعمت (ایمان) ہم کو عطا فرما رہے ہیں اور یہ کہ یہ اقتدار اور ملک گیری کی جنگ نہیں۔

”اسیر مالٹا“ ص ۱۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ المنذک کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لبا، چال، معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بے حد انس تھا، ریل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر بائیں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ بہت سے میلے کھیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی، عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا و ضمرداری تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کا بیت الخلاء (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پائخانے جو خواص اور امراء کیلئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو

اپنی تعلیٰ مرغوب ہے۔ وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی رو سیاہی کی جڑ ہے۔ اس لئے اہل اللہ اور کاملین حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلیٰ اور اس کا تفوق محسوس کرتے ہیں، اس کو بڑائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسب نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہے اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ظاہری بدبو اور کثافتِ مادی معنوی بدبو اور کثافتِ روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ امراء کا بیت الخلاء، نفس میں عجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا بیت الخلاء یہ چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قد سے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے۔ جب پانچ خانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمایا جائے فرماتے تھے کہ فقہاء نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شرح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف اور ان کی دل شکنی کی جائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گذرتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اُس پانی کو منہ اور ناک میں ڈالتا ہے اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے۔ اس لئے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے۔ غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ

یہ دونوں استاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع انکساری ہوتی ہے اس کیلئے از حد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرتِ تعلیٰ، خودداری ہوتی تھی، اس سے کوسوں دور بھاگنے کی فکر کرتے تھے، پھر یہ بھی نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع فرج ہو یوں تو ہم سمجھوں گی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترینِ خلایق، سگِ دنیا، ذرہ بے مقدارِ نابکار، ننگِ خلایق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ سب کاروائی عامتہ منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے۔ قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہ خیالِ دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ”ہم چومن دیگر سے نیست“ اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، اُن کی نکتہ چینی، غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اسی عیب نکالے جاتے ہیں، کوشش کی جاتی ہے کہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کتا، سور وغیرہ کہدیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ہم کمترینِ خلایق کہنے میں سچے تھے تو گدھا، کتا وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانتے ہیں، آخر خلایق میں سے تو وہ بھی ہیں فقط۔ اور مجھے تو سینکڑوں دفعہ اس کو بھگتنا پڑا کہ جب میں بھی عجب تکبر کا (زبان سے نہیں) دل میں بھی جب کوئی اس قسم کا خیال گذرا تو اسے خوب بھگتنا پڑا۔ ۱۳۸۲ھ کی مظاہر علوم کی اسٹرائٹک نے اس ~~مذہب~~ کو تعلیم

مدرسوں سے بالکل ہی بے رغبت کر دیا بلکہ گویا پڑھانا ہی چھوڑ دیا۔ اس اسٹرائک میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی طرف سے خداری، جھوٹ جھوٹی قسمیں اور بہت کچھ پیش آیا مگر اس ناکارہ کے مزاج میں چونکہ ہر واقعہ میں مَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ کے مطابقت کا قدیم معمول ہے، اس اسٹرائک کے ظاہری اسباب تو جو بھی کچھ ہوں مگر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ارشاد کے موافق الْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ پر غور کرنے سے امور ذیل ظاہر ہوئے۔

(۱) اس حادثہ سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے ہمارے ایک مدرس کے سبق میں کسی مدرسہ کی اسٹرائک کا ذکر آگیا تو بڑے جوش میں کہہ دیا کہ مظاہر میں کبھی اسٹرائک ہوتی نہیں۔

(۲) اس حادثہ کی ابتداء مدرسہ کی شاخ سے پیدا ہوئی کہ ایک غیر مسلم نے ایک مخرج طالب علم کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم متفق ہو جاؤ تو مدرسہ والے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس طالب علم نے شاخ کے کواڑ بند ہونیکے بعد طلباء کو جمع کیا اور بہت آبدیدہ ہو کر تقریر کی۔ مجھے علی الصباح اس کا حال معلوم ہوا تو میں نے ناظم شاخ کو بلا کر پوری بات سنائی۔ ناظم صاحب نے کہا کہ جناب بالکل بے فکر رہیں وہ کچھ نہیں کر سکتا، میں ابھی جا کر اس کا انتظام کرتا ہوں۔ میں نے بار بار ان کو متوجہ بھی کیا مگر وہ بڑے زوروں پر تھے۔

(۳) جب اس ہنگامے نے کچھ طول پکڑا اور شاخ سے مظاہر علم

میں منتقل ہوا اور اہل شوری مشورہ کیلئے بیٹھے تو اس ناکارہ نے بڑے زور سے کہا کہ دورہ کا کوئی طالب علم تو اس میں شریک ہے نہیں۔ ہمارے مدرسہ کے نائب مہتمم تعلیمات مولینا عبدالمجید مرحوم نے بہت دبی زبان سے کہا کہ حضرت دوسرے والے بھی ہیں۔ اس احمق نے پہلے سے زیادہ زور سے کہا کہ دورہ کا کوئی طالب علم نہیں ہو سکتا۔ مگر تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ دورہ والوں میں سے شاید ہی کوئی باقی رہا ہو۔ اور زیادہ حیرت اور قلق اس پر ہوا کہ میرے مخلص دوست جو ہمہ تن اپنے آپ کو مخلص ظاہر کر رہے تھے اور ناظم صاحب کے مخلص خدام میں تھے ظاہر میں ہم سے ملتے رہے اور اندر خانہ فساد یوں کے ساتھ رہے۔ اور میرے اس زور کا معنی یہ تھا کہ میں ہمیشہ دورہ کے سبق میں طلباء کے حق میں ان کے مقام کے متعلق ان کے نائب رسول ہونے کا اور عنقریب مقتدرائے قوم بننے کا تذکرہ تو ہمیشہ سے کرتا رہتا تھا۔ اس سال میں نے خاص طور سے بخاری شریف کے سبق میں سال کے شروع سے ہر سبق میں مستقل اس پر زور دینے کا اہتمام کر رکھا تھا اور اپنی نااہلیت سے یہ سمجھ گیا تھا کہ طلباء بہت متاثر ہیں مگر جب ان کے تاثر کا پس منظر دیکھا تو بار بار میری زبان پر آتا تھا کہ

وہ محروم تمتا کیوں نہ سوائے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت ایگیاں دیکھے

اب تک بھی جب وہ منظر یاد آجائے ہے تو اپنی ہی کو تا ہی اس کا منشا، معلوم ہوتی ہے۔ اس سیدہ کار میں اگر کچھ اخلاص ہوتا تو ان پر بھی اثر ہوتا۔ اس سال سے پہلے تک جب کسی مدرسہ کی اسٹرائیک اور طلباء کی زبانی ان کی مطلوبیت کی داستانیں سنا کرتا تھا تو ہمیشہ طلباء کے ساتھ ہماری ہمدردیاں ہوتی تھیں لیکن اس سال جو مناظر بہت تفصیل سے اپنی آنکھوں نے دیکھے اس کے بعد سے جب کسی مدرسہ کی اسٹرائیک کا حال سنتا ہوں تو میری ہمدردیاں تو اہل مدرسہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور طلباء کو ہمیشہ ظالم سمجھتا ہوں فالج المشتکی و هو المستعان اور یہ منظر بہت ہی جذر قلب میں گھس گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس سے نجات عطا فرمائے کہ تکبر ام الامراض ہے اور بڑے سے بڑے کو بھی گرا دیتا ہے۔ بہت سے مشائخ سلوک کو بھی اس مہلک مرض کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا اور حضرت شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا واقعہ تو میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چھپا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے۔ میں سالہا لیکن اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ یہ ہر ایک کے دل میں اُترا ہوا ہو، یہ شیخ ابو عبد اللہ اندلسی مشہور شیخ المشائخ اکابر اولیاء اللہ میں ہیں۔ ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد ہزاروں مریدین۔ سنہ ۱۰۰۰ کا ختم ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو دو سو سال گزرے ہیں۔ خیر القرون کا زمانہ گویا موجود ہے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادہ سفر تشریف لیکئے ہزاروں مشائخ و علماء ہمراہ ہیں جن میں حضرت جنید بغدادی، حضرت

شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک سستی پر گذر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، بستی میں پانی نہ ملا بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گذر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے۔ دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ بیروں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضا، وجوہ و جوارح پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو نہیں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ اے ہمارے سردار آپ اہل عراق کے پیرو مرشد، علم و فضل، نہم و عبادت میں شہرہ آفاق ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوا نہ کیجئے۔ شیخ نے فرمایا میرے عزیز میرا تمہارا نصیب تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا لے میری قوم قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا

شیخ بھی ہمارے ساتھ روئے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔

جب ہم نے واپس آ کر یہ واقعات سنائے تو شیخ کے مُریدین میں کہرام مچ گیا۔ چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت میں عالمِ آخرت کو سدھا رہے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں کرنے لگے کہ اے مقرب الصلوٰۃ شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹاؤ۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا۔ اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سو رہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔ گاؤں والوں نے بتایا کہ اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی، اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سو رہانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ہم یہ سن کر شدید رونا گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا۔ بمشکل دل تمام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سو رہا ہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنا رہ بندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سہ جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر

السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی زبان سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اے شیخ اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے پتے پتے آج تمہارا کیا حال ہے۔ شیخ نے فرمایا میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دیا تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے ہائے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کیے اپنے دروازہ سے نکال دینگا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے، ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔ خنزیر اُن کا رونا اور اُن کی دردناک آواز سنتے ہی اُن کے پاس جمع ہو گئے اور انھوں نے بھی چلانا اور رونا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار روئے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ شیخ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قراتوں سے پڑھا کرتے، اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟ شیخ نے کہا کہ اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا..... ایک تو یہ ہے وَمَنْ يٰۤهٰٓنِ اللّٰهُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرَمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (جس کو اللہ ذلیل کر لے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے وَمَنْ يَتَّبِدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا) حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بر زبان یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟ شیخ نے کہا صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو) حضرت شبلی فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور آواز بلند شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلاء کا کوئی سبب تھا تو شیخ نے فرمایا ہاں جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحّد ہیں اور یہ کبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان تو حیدر کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلاویں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ

میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔ فقط مجھے اس سائے قصہ میں اخیر کا یہ مضمون لکھوانا تھا ورنہ اصل واقعہ تو آپ بتی میں مفصل آچکا ہے اور صوفی اقبال صاحب نے اسی سے اکابر کے سلوک میں نقل کیا ہے اور حکیم الیاس نے اس واقعہ کو شیخ اندلسی کا ایک عجیب عبرتناک واقعہ کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ یہ تکبر ایسی بڑی بلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل و کرم سے اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائے آمین۔

اکابر کی شان میں گستاخی

آخری مضمون جو سب سے زیادہ اہم ہے اور خطرناک ہے وہ اکابر علماء ہوں یا محدثین فقہاء کرام ہوں یا صوفیہ عظام، ان کی شان میں بے ادبی گستاخی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے وَالشَّاقِقُونَ الْاَوْثُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ۔ الایۃ (اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سبقت سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیۃ اُمت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں ان کے پیرو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا کہ ایمان مقبول فرمایا جس پر جزا ملے گی اور وہ سب اس اللہ سے راضی ہوئے کہ طاعت اختیار کی جس کی جزا سے یہ رضا اور زائد ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (بیان الفتہ آن)

درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں متعدد احادیث اور آثار نقل کئے ہیں۔ اس میں امام اوزاعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے یحییٰ ابن کثیر اور قاسم اور مکحول اور عبدہ بن ابی لبابہ اور حسان بن عطیہ نے حدیث بیان کی انھوں نے صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری اُمت کیلئے ہے اور رضا کے بعد ناراضگی نہیں ہے۔ اس آیت شریفہ کے ذیل میں صوفیائے کرام جو حدیث احسان کے

بھی مصداق ہیں آگے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے گذرا ہے۔ مختصراً اسی سے نقل کرنا ہوں البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علماء حق کے ورثے آزار ہیں ان کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں بشرطیکہ یہ گالیاں دینے والے لوگ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیاوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے نقصان پہنچا سکیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی و دنیاوی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری اُمت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔ اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے اپنے کو اُمت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں لیکن صاحب اُمت ان کو اپنی اُمت میں شمار کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاملین قرآن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔ اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کرتا ہے۔ امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستلئے میری طرف سے اُس کو لڑائی کا اعلان ہے اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل

کیا ہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ جبرالامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اُس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی۔ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر فرماتے ہیں میرے بھائی ایک بات سُن لے، حق تعالیٰ شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہیے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں (یہ بات سُن لے) کہ علماء کے گوشت (غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ تعالیٰ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کُشائی کرتا ہے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مُردہ بنا دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحمیٰ نے اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں اگر کالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علماء کی تحقیق علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر اور وجہ سے ہے تب بھی اس شخص کے فاسق اور فاجر ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں۔ فقط۔

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔ جن لوگوں کو دنیوی مشاغل سے فراغت ہو۔ اور ان چیزوں کو بیکار نہ سمجھیں وہ ان کو ضرور ملاحظہ کریں۔ حضرت گنگوہیؒ کے خدام میں ایک

صاحب کو کشف قبور بہت ہوتا تھا وہ میرے والد کے انتقال پر تعزیت کیلئے آئے اور قبرستان بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ انہوں نے مجھے آکر والد صاحب کی طرف سے تین پیام دیئے۔

(۱) مجھ پر قرض کا کوئی مطالبہ نہیں بے فکر رہو۔ چونکہ والد صاحب کے انتقال کے وقت تقریباً آٹھ ہزار کا قرض تھا اور مجھے اس کا بہت فکر سوار تھا۔ چنانچہ انتقال کے دوسرے دن میں نے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب کے مشورہ سے سب قرض خواہوں کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ان کے ذمہ جو قرض تھا آج سے وہ میرے ذمہ ہے۔ میرے حضرت اس وقت حجاز سے واپسی پر حضرت شیخ الہند کے ساتھ چونکہ یہ سفر ہوا تھا۔ اور سال بھر قیام بھی دونوں کا حجاز رہا تھا۔ جب حضرت جبل سے تشریف لائے تو میرے حضرت نے اس تجویز کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا تمہیں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ ان کا ترکہ کتابیں ہیں اپنے قرض کے موافق کتابیں لے لو۔ (۲) یہ پیام دیا کہ فلاں شخص کے متعلق فکر مت کر مجھ پر کوئی اثر اس کا نہیں مگر اس کیلئے بہت مضر ہوا۔ یہ ایک صاحب تھے جن کو میرے والد صاحب سے بغض و عناد تھا وہ بہت تنقید کیا کرتے تھے۔ مجھے والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کی شکایات کا بھی فکر ہے تھا۔ چنانچہ اس دوسرے پیام کا اثر تو میں نے خود دیکھا کہ وہ میرے حضرت کے یہاں سے معتوب ہوئے مدرسہ سے نکالے گئے۔

(۳) پیام یہ تھا کہ ان اللہ والوں سے بہت ڈرتا رہیے یہاں ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا میری سمجھ

میں نہ آیا کہ اُلٹی تو بہر حال اُلٹی ہے چاہے کوئی اللہ والا کہے چاہے کوئی دنیا دار
 کئی دفعہ سوچا بھی کہ اس پیام کا کیا مطلب، دس برس بعد ۱۹۵۳ء میں سلسلہ
 بذل میرا مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ مدرسہ کے سلسلہ میں میرے حضرت
 نور اللہ مرقدہ کے پاس بعض حضرات ناظم صاحب کی جھوٹی سچی شکایتیں
 لکھا کرتے تھے۔ اور میں چونکہ ان سے واقف بھی تھا اور میرے پاس براہ راست
 بھی خط آتے رہتے تھے۔ میں حضرت قدس سرہ کے یہاں ان کی شکایات
 کی تردید کیا کرتا تھا اس لئے کہ ڈاک میں ہی لکھا کرتا تھا،
 مجھے تو حضرت قدس سرہ نے کوئی لفظ اس سلسلہ
 میں نہیں فرمایا۔ میں بسا اوقات گستاخانہ طریقہ سے بھی تردید کیا کرتا تھا،
 مگر جب ذیقعدہ ۱۳۷۳ء میں میری حجاز سے واپسی ہوئی اور مولانا عبدالقادر
 صاحب رانیپوریؒ بھی میرے ساتھ ہی تشریف لائے تو حضرت نور اللہ مرقدہ
 نے ان کی معرفت حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں یہ پیام بھیجا کہ فلاں
 شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ اچھا نہیں ہے اس سے بہترین سلوک کیا
 کریں۔ حضرت مولانا نے میرے سامنے ناظم صاحب کو یہ پیام پہنچایا مگر
 ناظم صاحب نے فرمایا کہ وہ جھوٹی شکایتیں لکھتا ہے اور بہت لاپرواہی
 سے جواب دیا۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کا چہرہ فق
 ہو گیا۔ اور میں نے حضرت مولانا سے خاص طور سے پوچھا کہ گیارہ برس پہلے
 تو اباجان کا یہ پیام آیا تھا میں اُس وقت بھی سوچتا رہ گیا اور آپ کا چہرہ
 دیکھ کر وہ بات پھر یاد آگئی کہ ناظم صاحب نے سچ فرمایا کہ وہ شکایتیں
 جھوٹی گزرتا ہے مگر آپ کے چہرہ کو دیکھ کر مجھے وہ پُرانی بات یاد آگئی۔ حضرت

رانیپوری نے یوں فرمایا کہ تمہارا اشکال صحیح ہے ناحق تو ناحق ہی ہے مگر
 ان اللہ والوں کے دل میں کس کی طرف غلط شکایات پر بھی تکرر پیدا
 ہو جائے تو ان کے تکذّر کا اثر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے
 بعد سے تو مجھے بہت سے تجربات اس کے ہوئے کہ واقعی ان اللہ والوں
 کا تکذّر کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھانس دیتا ہے۔ اس کے بعد سے
 تو میں بہت ہی ڈرنے لگا اور دوستوں کو بھی تاکید کرنے لگا کہ اس
 گھنڈ میں نہ رہو کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ ان مرثوں کے تکذّر سے بہت
 بچتے رہو۔ جہاں تک ہو سکے اپنی صفائی ضرور کرتے رہو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث
 میں ہے کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی کئے
 اس نے میرے سے دشمنی کا اعلان کیا۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ یہ سب سے
 زیادہ صحیح حدیث ہے جو اولیاء کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے عداوت
 رکھے وہ اللہ جل شانہ سے لڑائی باندھنے کیلئے میدان میں آیا۔ اور دوسری
 حدیث میں ہے کہ میں اپنے ولی کیلئے ایسا انتقام لیتا ہوں جیسا جنگجو شیر
 اپنا بدلہ لیتا ہے اور اس لئے کہ یہ اولیاء اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ
 تعالیٰ سے موالاة (دوستی) کی اور اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ
 نے پسند کیا اور اس سے بغض کیا جس سے اللہ نے بغض کیا اور اس سے
 راضی ہوئے جس سے اللہ راضی ہوا اور اس سے ناراض ہوئے جس سے اللہ
 تعالیٰ ناراض ہوا، اور اس کا حکم کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیا، اور جس سے

اللہ تعالیٰ نے روکا اس سے روکتے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھرجاتا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (ارواح اللہ ص ۳۶)

اعتدال میں بھی یہ مضمون تفصیل سے اور اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مضمون (من عادی لی دلیا فقد اذنتہ بالحرب) حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بخاری میں منقول ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوامامہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔ اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر آتا ہے (درمنثور) ایک حدیث میں آیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوں جیسا غضب ناک شیر (درمنثور)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اس کا بھلا ٹھکانہ کہاں۔ اور پھر اگر اس کی سزا میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک کاٹا آنگھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہر حال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدا نخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے کسی بد دینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں

میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سو دکھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوزِ خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کیلئے خاتمہ بالآخر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے سو جو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔ شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے ان حضرات صوفیاء پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف اسرار کے حامل ہوں زہرِ قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے، بڑی سخت وعید اس بارے میں وارد ہوئی ہے اور بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا معاذا اللہ اندیشہ ہے۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو تراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں ہیں یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کر نیکا خوگر ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے آیا

ہے اور بہت اہم ہے۔ اللہ والوں سے محبت رکھنا کبیرِ اعظم ہے اور ان سے دشمنی سببِ قاتل ہے۔ اس مضمون کو میرے رسالہ اعتدال میں بہت اہتمام سے دیکھا جائے وہ بارہ صفحہ میں یہ مضمون ہے اور بہت ضروری۔ میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کو عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ محدث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحبِ تقویٰ ہونا، صاحبِ ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کامیاب کے ساتھ اگر کوئی شخص محبت پیدا کر لے تو المرء مع من احب کے قاعدہ سے انشاء اللہ تعالیٰ سائے ہی دین کے اجزائے حقہ وافر لے گا۔ واخود عوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وجیب رب العلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ قبیل المغرب یوم الجمعة احدى عشر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ فی مسجد النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد زکریا عفی عنہ

ضمیمہ شریعت و طریقت

یہ رسالہ (شریعت و طریقت) طبع ہو چکا تھا کہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ماہنامہ الفرقان کے چند پرچے میرے پاس بھیجے اس میں ایک مضمون ”شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہماری بعض اکابر“ کے ذیل میں لکھا ہے جس میں ہماری اکابر کے کلام میں ان حضرات کے متعلق جو کچھ اشکالات کئے گئے ہیں ان کے بہت مفصل جوابات دیئے گئے ہیں ”قابل دید ہیں“ مولانا موصوف نے الفرقان جنوری ۱۳۷۸ء کے صفحہ ۸ سے یہ ایک مضمون محمد بن عبدالوہاب کے صاحبزادے عبداللہ کی طرف سے نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنی دعوت اور مسلک کی وضاحت اور بہتانوں کی تردید کی ہے۔ ہم اس مضمون کے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اس میں پہلا اعتراض فقہ کے متعلق اور دوسرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے متعلق لکھا ہے۔ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات برزخی حیات ہے اور یہ شہداء کرام کی حیات سے زیادہ بلند درجہ کی ہے کیونکہ بلاشک شبہ آپ شہداء سے افضل ہیں۔ اور آپ سلام عرض کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور آپ کی زیارت مسنون ہے لیکن (شدر حال کی ممانعت کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ) مسجد نبوی کی

حاضری اور اس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے اور اگر اس کے ساتھ زیارت کا مقصد بھی شامل کر لے تو کوئی حرج نہیں اور جو کوئی اپنا قیمتی وقت آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے تو اس کو دنیا و آخرت کیلئے سعادت و خوش بختی حاصل ہوگی اور اس کے سائے فکر و غم، اور پریشانیوں کیلئے وہی کافی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور ہم اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر نہیں ہیں اور ان کا جو خاص مرتبہ و مقام ہے ہم اُس کے معترف ہیں۔ اسی کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے مستحق نہیں ہیں، نہ زندگی میں نہ بعد الموت۔ ہاں زندگی میں ان سے (بلکہ ہر مسلمان سے) دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ اور ہم اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ اور اولیاء اللہ اور معصوم بچوں کی بھی شفاعت ہوگی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں اور ہم اس شفاعت کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ اور الخلق و نضرہ کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما اور ہمارے باپے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔ اسی طرح ہم اللہ کے نیک بندوں اور فرشتوں کی..... شفاعت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ پس یوں نہ کہا جائے کہ اے اللہ کے رسول یا اے اللہ کے ولی میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا یہ کہ آپ میری مدد یا دستگیری فرمادیں، مجھے بیماری سے شفا عطا فرمائیے (وغیرہ وغیرہ) کیونکہ یہ سب شرک کے اقسام میں سے ہے۔

آگے مصنف خود سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم ان علماء کے بارے میں کیا کہتے ہو جنہوں نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور سوال شفاعت کے جواز بلکہ استحسان و استحباب پر دلائل قائم کئے ہیں اور وہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ متقدمین کی..... ان تصریحات سے بھی واقف و باخبر تھے (جن کا آپ لوگ حوالہ دیتے ہیں) اس کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے، مصنف نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ان کو بھی معذور سمجھتے ہیں ان سے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی اور وہ اسی حالت میں رہے اور اسی حال میں دنیا سے گئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کے خلاف حضرت معاویہ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہاد ہی غلطی پر تھی اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں بلکہ ان کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں حالانکہ اپنی اس غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا اس پر قائم رہے اور دنیا سے اسی حالت میں چلے گئے اور یہ اہل سنت کا مشہور متفقہ مسلک ہے۔ اور اسی سلسلہ میں مصنف آگے لکھتے ہیں، ہم کسی ایسی شخصیت کی تکفیر نہیں کرتے جس کے تدین اور صلاح و تقویٰ اور زہد و حسن سیرت کی شہرت ہو اور جس نے تعلیم و تدریس یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ دین و علم دین اور امت مسلمہ کی خدمت کیلئے جان کھپائی ہو، اگرچہ اس سوال شفاعت کے مسئلہ میں یا اس طرح کے کسی اور مسئلے میں اس سے خطا ہو غلطی ہوئی ہو جیسے ابن حجر ہیثمی مکتی (شافعی) انہوں نے اپنی کتاب البیِّنظم

میں ان مسائل میں ہماری مسلک کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس سے واقف ہونے کے باوجود ہم ان کی وسعت علم کے معترف ہیں ان کی کتابیں شرح الرعین اور الزواجر وغیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مطالعہ کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں، وہ ہماری نزدیک قابل اعتماد و اکرم علماء امت میں سے ہیں۔ اسی رسالہ کے اخیر حصہ میں اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حافظ ابن قیم اور ائمہ اشاعہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اہل حق، اہل سنت کے امام و پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں لیکن ہم ہر مسئلہ میں ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم اور معروف ہے، منجملہ ان کے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اس میں ہم ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف (ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے) ہیں..... اور بھی ایسے متعدد مسائل ہیں۔ اور رسالہ کی آخری سطروں میں فرماتے ہیں اور اسی پر رسالہ ختم ہے: ”اور ہم طریقہ صوفیاء اور تزکیۃ باطن کی کوشش کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت و سنت کا پابند و پیرو ہو۔ لیکن ہم ان لوگوں (صوفیاء) کے اقوال و افعال میں زبردستی کی تاویل نہیں کرتے اور ہم اپنے تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو مددگار اور کارساز نہیں سمجھتے“

وهو حسبنا ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير
 وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم
 محمد زكريا عفى عنه

فہرست شریعت و طریقت عکسی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱	اولئک یدل اللہ سیاتہم حنات	۳	”شریعت و طریقت“ ابتدائے پیدائش سے
۲۲	باغ فردک	۳	{ اکابر کی سعی سے دو آجے میں دین کا زور
۲۸	مشاجرات صحابہ		
۳۰	ہمزان کا قصہ	۴	{ میرے اکابر میں سے تین کی زیارت نہیں ہوئی۔
۳۱	عمل بالقرآن		
۳۲	تفسیر کیلئے جن علوم پر مہارت ضروری		بقیہ مشائخ عصر مع زمانہ جو چیز
۳۵	{ قرآن پاک کے استنباط مسائل کے لئے	۵	{ بچپن میں مرکوز ہو جاتی ہے جیسے سانپ اور شیراخی
	{ کن چیزوں کی ضرورت ہے		
۳۷	{ حدیث کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے	۸	{ حدیث جبرئیلؑ احادیث کی مزادلت سے
	{ کے لئے کن علوم کی ضرورت ہے		
۳۷	{ حدیث کے اقسام اور انکی تعریفات	۸	{ شریعت و طریقت کا متلازم ہونا انبیاء کی بوشت کا راز تعلیم ہے جو
	{ مفہوم حدیث سمجھنے میں غلطی		
۴۰	{ اور اس کی چند مثالیں	۹	{ شان نبوت کے منافی نہیں تھیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی گئیں
	{ طلب حدیث کے شرائط و		
۴۲	{ آداب از امام بخاری رحمہ	۹	{ جوشان برتہ کے منافی تھیں ان کیلئے صحابہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔
	{ فقہ		
۴۶		۱۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۲	علاوہ کسی کی تقلید نہ کرنے پر	۴۶	فقہ اور اس کی تعریف
	علماء کا اجماع	۴۷	علاوہ شہرانی کی مشہور کتاب میزان
۶۳	ابن حجر مکی کا قول		الکبریٰ اور اس کا موضوع
۶۴	ملا جیون کا مقولہ	۵۰	مکاشفات علامہ شہرانی بصوت جداول
۶۵	تقلید	۵۰	ائمہ فقہ و حدیث کی موالید و وفیات
	جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں	۵۱	اجتہاد
۶۵	وہ تعلیم کی حقیقت سے ناواقف ہیں	۵۱	اس کی تعریف و شرائط
۶۵	قولہ صلی اللہ علیہ وسلم قلوا قلوبہم اللہ	۵۵	اقسام اجتہاد
۶۶	ابن تیمیہ کا مقولہ تقلید کے بارے میں	۵۸	اجتہاد کا چوتھی صدی کے بعد انقطاع
	امام باہنی کا مقولہ کہ جو اجتہاد	۵۹	مولانا حبیب الرحمن اعظمی کا
۶۶	کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس پر		مضمون
	تقلید فرض ہے۔		ائمہ مجتہدین کا چار میں انحصار
۶۶	مکتوب حضرت گنگوہی بسلسلہ	۶۰	شاہ ولی اللہ صاحب کا مضمون
	وجوب تقلید۔		ابن خلدون کا مقولہ کہ تقلید
۶۶	مکتوب حضرت نالوتوی بسلسلہ	۶۲	چار میں کیوں منحصر ہے۔
	وجوب تقلید	۶۳	مختلف ائمہ کی تقلید بیک وقت
۶۹	مقولہ مولوی محمد حسین ثالوی	۶۳	علماء کا اجماع تقلید ائمہ اربعہ پر
	۲۵ سالہ تجربہ	۶۳	ابن ہمام کا مقولہ کہ ائمہ اربعہ کے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱	ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ائمہ میں سے کسی نے حدیث کی مخالفت نہیں ہے۔	۷۰	مولوی محمد حسین ثالوی کی حضرت نالوتوی کے ساتھ گفتگو۔
	ابن تیمیہ کا قول کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی دوسرے امام نے عمداً کسی حدیث کو چھوڑا ہے تو اس نے ان پر زیادتی کی۔	۷۲	علی گڑھ کے اہل حدیث ڈاکٹر کا مقولہ کہ بعد رکوع ہاتھ پھوڑنا کسی حدیث سے بتاؤ۔
۸۲	حضرت گنگوہی کا معمول دوسرے ائمہ کے احترام میں	۷۳	تقلید امام ابوحنیفہ
	حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ اگر حضرت امام شافعی ہوتے تو میں انکی تقلید کرتا۔	۷۸	ائمہ کا قول اذ اصح الحدیث فہو مذہبی جب ہے جب کہ امام کے پاس وہ حدیث نہ پہنچی ہو
۸۳	ذکر یا کے درس میں درس آداب طالب	۸۰	ابن تیمیہ نے رفع الملام میں کسی امام کے کسی حدیث کے چھوڑنے کی دس وجہیں لکھی ہیں۔
	ذکر یا کا تشدد		تنبیہ کسی شخص کو اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کی یا محدثین کی شان میں گستاخی نہایت خطرناک ہے۔
۸۵	مقطوع اللہیہ پر	۸۱	امام ابن تیمیہ کی مضمون بالا کی نہایت تاکید۔
۸۸	طریقت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۰	ارشادات حضرت تھانوی		مولانا اسماعیل کاندھلوی کا حضرت
۱۰۲	{ مکاتیب شیخ الاسلام دراہمیت شریعت۔	۸۸	{ گنگوہی سے اشغال کے سوال پر حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ جب
		۸۹	{ احسان کا درجہ حاصل ہے کہ اگر حضرت گنگوہی کا طویل تفسیر
۱۱۰	{ رسالہ ابن تیمیہ فی الاعمال القلیبہ میں اعمال قلیبہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ	۸۹	{ کہ درجہ احسان اصل ہے۔ اور شلیخ نے ضرورت کی وجہ سے
			اشغال تو یز کیے۔
		۹۱	{ مکتوب حضرت مجدد صاحب براہمیت شریعت۔
۱۱۰	{ ابن تیمیہ نے چند اعمال قلوب گنوا کر لکھا ہے کہ علماء کا اجماع ہے کہ یہ سب واجب ہیں جن کو	۹۲	{ مکاتیب خواجہ محمد معصوم دراہمیت شریعت۔
			مقامات و احوال سے تعبیر کیا جاتا ہے
		۹۷	{ خواجہ احمد جام کا نابینا کی آنکھ پر ہاتھ پھرنے سے انکار۔
۱۱۱	{ اسکے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا صدق و کذب اللہ تعالیٰ کی محبت اخلاق، توکل اور اس جیسے	۹۸	{ مامی کینم مکتوب خواجہ محمد معصوم
		۹۸	{ دراہمیت شریعت۔
۱۱۱	{ حافظ ابن قیم کا کلام الوابل الیسیب اور مدارج السالکین سے۔	۹۹	{ مکتوب خواجہ معصوم شریعت پر عمل اصل ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۵	مجاہدات و ریاضات صوفیہ	۱۱۳	{ حضرت گنگوہی کا مکتوب بلسلہ تصوف
۱۳۶	ارشادات شاہ ولی اللہ		بیعت
۱۳۷	حضرت سیلمان کا گھوڑوں کو مارنا	۱۱۷	شاہ ولی اللہ صاحب کا کلام
	مختلف صحابہ کو مختلف ارشادات	۱۱۹	{ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الاتبا جونی کے فوائد التکشف سے۔
۱۳۹	{ ایک ہی نوع کے سوالات پر امراض بدنہ میں اطباء کا	۱۲۲	{ حیاۃ الصحابہ سے بیعت کی روایات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
۱۴۱	{ ایک ہی مرض کے دو نسخے	۱۲۵	{ زمانہ میں آپ کی زیارت ہی مرتبہ احسان تک پہنچنے کیلئے کافی تھی
۱۴۲	مکتوب مجدد صاحب در نسبت صحابہ	۱۲۹	{ حدیث حضرت حنظلہ کی کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا
۱۴۵	{ شیخ کی ضرورت اور اسکے شرائط۔	۱۳۹	{ ابوطلحہ انصاری کے باغ میں ایک پرندہ کے گھرنے پر باغ
۱۴۵	شرائط شیخ از حضرت تھانوی		کو صدقہ کر دینا۔
۱۴۶	{ شرائط شیخ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب	۱۴۳	{ حضرت عبداللہ بن زبیر کا نماز میں سانپ گرنا اور نچکے کو لپٹ جانا
۱۵۰	شاہ ابو سعید گنگوہی کا قصہ		واقعہ حضرت حارث حقیقت ایمان
۱۵۳	علی میاں کا مضمون	۱۳۳	
۱۶۲	{ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مضمون تصوف کے بارے میں۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۳	{ ابن قیم کا مضمون کشف کے بارے میں -	۱۶۲	وارد کی قوت کی وجہ سے بعض یہوش ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ مڑ بھی جاتے ہیں (ابن تیمیہ)
۲۰۰	ابن تیمیہ کا مضمون کشف کے بارے میں	۱۶۶	{ شیخ شہاب الدین سہروردی کا مضمون -
۲۰۲	شطیات		
۲۰۸	سکر و غشی	۱۶۷	اشغال و احوال
۲۱۲	صوفیاء کے کلام میں ظاہر کینلاف معنی	۱۶۷	کلمہ طیبہ کے بارے میں ملا علی قاری کا مضمون
۲۱۶	ام الامراض (کتب)	۱۷۰	{ ذکر بلفظ اللہ پر اشکال اور اسکا جواب
۲۱۷	امام غزالی کا مضمون		
۲۲۱	حضرت جنید کا قصہ	۱۷۵	پاس انفاس
۲۳۲	ابو عبد اللہ اندلسی کا قصہ	۱۷۷	تصور شیخ
۲۳۸	اکابر کی شان میں گستاخی	۱۹۰	کشف صدور کشف قبور
۲۴۱	ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے		
۲۴۷	ضمیمہ		

